امامت

دانشمند معظم

جناب مولانا سید سعید اختر رضوی

دام ظلہ العالی

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟

یہ ایک ایسا دین ہے جسکی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔ یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس میں سے عقل و دانش کی متعدد ندیاں پھوٹتی ہیں۔ یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے کئی چراغ روشن ہونگے۔ یہ ایک بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔ یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو صداقت اور حقیقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی بندگی اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوّق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پرخلوص دل سے عمل کرو۔ اسکے معتقدات سے انصاف کرو اسکے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اسکا مناسب مقام دو۔"

امام علی علیہ السلام۔

ناشر

تبلیغاتِ ایمانی ہند

۱۵۹ / نجفی ہاؤس، نشان پاڑہ روڈ، بمبئی ۹ ....۴۰۰

- نام کتاب ——— اِمامت
- مصنف ——— سیّد سعید اختر رضوی
- محشی ——— سیّد محمّد رضوی
- مترجم ——— سیّد شبیہ الحسن رضوی
- ناشر ——— تبلیغات ایمانی۔ نجفی ہاؤس، بمبئی
- کاتب ——— قاضی اقتدار حسین بستوی
- طباعت ——— ناولٹی پرنٹرس۔ بمبئی
- سنہ اشاعت ——— ۱۴۱۰ھ سنہ ۱۹۸۹ء
- قیمت ——— بیس ۲۰ روپئے

رہنمائے کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے ۱۹۷۱ء میں "بلال مسلم مشن" دارالسلام تانزانیہ کے اسلامی مراسلاتی کورس کے لئے انگریزی میں لکھی گئی تھی۔ اس موضوع پر لکھنے کے لئے کسی شیعہ کے لئے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ کیا لکھا جائے بلکہ بات یہ ہے کہ اختصار کے پیش نظر کن کن باتوں کو حذف کیا جائے اسی مقصد کے تحت انتہائی ضروری موضوعات کو نہایت اختصار کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

۱۹۷۴ء میں تہران کے اہم ادارے "موسسہ جہانی خدمات اسلامی" (WOFIS) [illegible] عالمی پیمانے پر شائع کیا۔

چونکہ کتاب مراسلاتی کورس کے شرکاء کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے اس میں حوالے ذکر نہیں کئے گئے تھے۔ لیکن جب عالمی پیمانے پر اشاعت کا پروگرام بنا تو اس وقت حوالوں کی عدم موجودگی کھلنے لگی۔ اس کام کو پورا کرنے کی ذمہ داری نورچشم سید محمد رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور خدا کا شکر ہے کہ نہایت حسن و خوبی سے اس کو انجام دیا۔ حوالوں کے ساتھ نورچشم سلمہ نے ان مضامین کا بھی اضافہ کر دیا جو میں نے اسی موضوع پر لکھے تھے اور مختلف جرائد میں شائع ہوئے تھے۔

تاریخی واقعات اور سنی عقائد کے متعلق تمام حوالے صد در صد اہل سنت کی کتابوں سے لئے گئے ہیں البتہ کہیں کہیں تائید کے لئے شیعہ حوالے بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

واقعہ غدیر خم اور حدیث "من کنت مولاہ" کی تشریح اور وضاحت کے لئے جو "الغدیر" کے حوالے دیئے گئے ہیں، اس سے شیعہ حوالے مقصود نہیں ہیں بلکہ اہل سنت کے ان کثیر التعداد حوالوں کی طرف اشارہ ہے جسے "الغدیر" کے گرانقدر اور بلند پایہ مولف محقق بزرگ حضرت علامہ امینی طاب ثراہ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ عزیزم حجۃ الاسلام سید شبیہ الحسن رضوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے انجام دیا ہے اور میری اجازت سے اس عظیم خطبہ کے چند اقتباسات بھی شامل کردیئے جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم کے موقع پر ایک لاکھ کے عظیم الشان مجمع میں ارشاد فرمایا تھا۔ جسے الاحتجاج طبرسیؒ تفسیر صافی میں درج کیا گیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ مع متن کے مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم دہلوی نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں شامل کیا ہے۔ واقعہ غدیر کے تعلق سے یہی ایک شیعہ حوالہ ہے بقیہ سارے حوالے اہل سنت کی معتبر کتابوں سے درج کئے گئے ہیں۔

اس سال ۱۴۲۱ھ ذوالحجۃ الحرام میں واقعہ غدیر کو ۱۴۱۰ سال پورے ہو جائیں گے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت اور امامت بلافصل سے اپنے تمسک کو اور زیادہ مستحکم کرتے ہوئے یہ کتاب حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید محمد موسوی دام ظلہ کے حکم سے "تبلیغات ایمانی" نجفی ہاؤس بمبئی ۹ کی جانب سے اردو داں طبقہ کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

خدا ہم سب کو اہلبیت اطہارؑ کی ولایت و امامت سے ہمیشہ متمسک رہنے کی توفیقات عنایت فرمائے۔ اور ولایت و امامت کے آخری تاجدار حضرت حجۃ ابن الحسن العسکری امام مہدی علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرمائے تاکہ ان کی خدمت میں عید غدیر کی مبارکباد پیش کرسکیں۔ آمین۔

سید سعید اختر رضوی ۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ بمبئی۔

حصہ اول

چند ضروری مسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) اِمامت و خلافت

امامت : قیادت، رہبری۔ الامام یعنی قائد یا رہبر۔ اسلامی اصطلاح میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے: "الامامۃ : ھی ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابۃ عن النبیؐ (صلے اللہ علیہ والہ وسلم)"، یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نیابت میں دین و دنیا کی ریاست عامہ کو "امامت" کہتے ہیں۔ "امام" کے معنی ہیں وہ "مرد" جو نبی کی نیابت میں امت مسلمہ پر دین و دنیا کے امور میں ریاست عامہ پر فائز ہو۔[۱]

"مرد" کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ "عورت" امام نہیں ہو سکتی۔ "ریاست عامہ" کی قید امام جماعت کو اس تعریف سے خارج کر دیتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی "امام جماعت" کہا جاتا ہے لیکن ریاست عامہ کا حامل نہیں۔ "نیابۃ عن النبیؐ" کی شرط نبی اور امام کے فرق کو واضح کرتی ہے کیونکہ امام کو یہ ریاست عامہ براہ راست نہیں بلکہ نبی کے نائب کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے۔

"خلافت" کے معنی جانشینی ہیں اور "خلیفہ" جانشین اور نائب کو کہتے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں "خلافت" و "خلیفہ" عملاً وہی مفہوم ظاہر کرتے ہیں جو "امامت"

---

[۱] الحِلیّ: حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی شرح باب حادی عشر ص۶۹، محمد جواد مغنیہ فلاسفۃ الاسلامیۃ صفحہ ۳۹۲ م دار التعارف بیروت ۱۳۹۸/ ۱۹۷۸ء

اور امام ، سے ظاہر ہوتا ہے۔

"الوصایتہ" یعنی وصیت پر عملدرآمد کی ذمہ داری اور اختیار اور "وصی" یعنی وصیت پر عملدرآمد کا ذمہ دار۔ عام طور سے اس سیاق و سباق میں "وصایت" اور "وصی" کے وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو "خلافت" اور "خلیفہ" کے ہیں۔

قارئین کرام کے لئے یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ بہت سے انبیاء سلف اپنے پیشرو انبیاء کے خلیفہ بھی تھے۔ یعنی : وہ نبی بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ وہ انبیاء جو صاحبان شریعت تھے وہ صرف پیغمبرؑ تھے اور اپنے پیش رو نبیؑ کے خلیفہ نہیں تھے اور کچھ ایسے افراد بھی گذرے ہیں جو انبیاء کے خلیفہ تھے مگر نبی نہیں تھے۔

"امامت وخلافت" کے قضیہ نے امت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ان اختلافات نے عقائد و نظریات کو اتنا متاثر کیا ہے کہ "توحید" و "نبوت" کے عقیدے بھی ان آویزشوں کی زد سے نہ بچ سکے۔

علم کلام میں اس مسئلہ پر سب سے زیادہ بحث و مباحثہ ، سب سے زیادہ نزاع اور جدال ہوتی رہی ہے اور اس پر ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

میرے سامنے جو مسئلہ ہے وہ یہ نہیں کہ کیا لکھوں بلکہ یہ کہ کیا نہ لکھوں۔ کوزہ میں سمندر کو بند نہیں کیا جاسکتا اس چھوٹے سے کتابچہ میں نہ تو اس موضوع کے تمام مباحث کو سمیٹا جاسکتا ہے اور نہ جس مبحث کو بیان کیا جائے اس پر سیر حاصل بحث کی جاسکتی ہے۔ اس کتابچہ میں اس موضوع پر جو اختلافات ہیں ان کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شروع ہی میں یہ کہدینا بہتر ہے کہ مسلمان اس سوال پر دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ اہلسنت : جن کا عقیدہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر ہیں۔ اور شیعہ : جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب پیغمبر کے پہلے خلیفہ اور امام ہیں۔

اس بنیادی اختلاف نے کئی دوسرے اختلافات کو جنم دیا جن کی وضاحت آئندہ کی جائے گی۔

(۲) اختلافات کا خلاصہ

پیغمبرؐ کی ایک متفق علیہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "عنقریب میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور باقی تمام فرقے ناری ہوں گے" ۔[۱]

جن کو اپنی آخرت سنوارنے کی فکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ راہ نجات اور صراط مستقیم کی تلاش و جستجو کرتے رہتے ہیں ، ہر شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عقل کو اپنا رہبر بنائے تحقیق و جستجو کرتا رہے ، یہاں تک کہ سچائی اور حق کا دامن اس کے ہاتھ میں آجائے۔ ان تمام اختلافات پر ایک طائرانہ نظر ڈالے اور جانب داری و تعصب سے بچکر تمام معاملات کا ایک تنقیدی جائزہ لے اور فہم و تدبر کا سہارا لئے ہوئے خدا سے دعا کرتا رہے کہ وہ اسے صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔

اسی لئے میں یہاں پر اہم اور خاص خاص اختلافی موضوعات کو اجمالا بیان کرنے کے ساتھ ، ان موضوعات سے متعلق فرقوں کے دلائل و نظریات کا بھی جائزہ لوں گا تاکہ تحقیق کی منزلیں آسان ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں اہم سوالات یہ ہیں :

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح جلد اول صفحہ ۵۰ اور علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں ایک باب اسی عنوان سے احادیث کا لکھا ہے۔

سفینۃ البحار شیخ عباس قمی ج ۲ ، ص ۳۶۰/۳۵۹

(۱) ۔ "رسولؐ کے جانشین کا تقرر کرنا خدا کے اختیار میں ہے یا امت کی ذمہ داری ہے کہ جسے بھی چاہے رسولؐ کا جانشین مقرر کر دے۔؟"

(۲) ۔ "اگر یہ امت کی ذمہ داری ہے تو کیا خدا یا رسولؐ نے امت کے ہاتھ میں کوئی ایسا دستور دیا جس میں "خلیفہ" کے انتخاب کے قوانین اور طریقہ کار بیان کئے گئے ہوں؟ یا امت نے انتخاب کی منزل آنے سے پہلے کچھ قواعد و ضوابط بنا لئے تھے جس کی بعد میں پابندی کی گئی؟ یا امت نے ہر نئے موڑ پر جو طریقہ مفید مطلب ہوا اسے اختیار کر لیا۔ اور جو کچھ امت نے کیا، کیا اسے ایسا کرنے کا اختیار تھا۔؟"

(۳) ۔ "کیا عقل اور قوانین الٰہی کی رو سے امام اور خلیفہ کے اندر کچھ صلاحیتوں اور شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ اگر ہاں! تو وہ شرائط اور خصوصیات کیا ہیں؟"

(۴) ۔ "پیغمبر اسلامؐ نے کسی کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا یا نہیں؟ اگر مقرر فرمایا تو وہ کون ہے؟ اگر نہیں مقرر کیا تو کیوں؟"

(۵) ۔ "وفات پیغمبرؐ کے بعد کس کو خلیفہ تسلیم کیا گیا اور کیا خلیفہ کے اندر جن شرائط کا وجود ضروری ہے وہ اس میں پائی جاتی تھیں یا نہیں۔؟!" [۳]

(۳) بنیادی اختلاف

تفصیلات میں جانے سے پہلے، یہ بہتر ہے کہ "امامت و خلافت" کی ماہیت و خصوصیت کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کی بنیادی وجہ کو واضح کر دیا جائے۔

امامت کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟ کیا امام اولین حیثیت میں اور بنیادی

[۳] نجم العلماء سید نجم الحسن النبوت والخلافت مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۵ طبع دوم (بہ تبدیل عبارت)۔

طور پر سلطنت کا حاکم ہے؟ یا وہ اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر اللہ کا نمائندہ اور رسولؐ کا جانشین ہے؟

چونکہ یہ طے شدہ امر ہے کہ "امامت اور خلافت" رسولؐ کی جانشینی ہے لہٰذا یہ سوال اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ خود رسولؐ کی بنیادی حیثیت کیا تھی؟ ہمیں یہ طے کرنا پڑے گا کہ کیا رسولؐ اپنی اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر ایک سلطنت کے حاکم تھے یا آپ اولین حیثیت میں اور بنیادی طور پر خدا کے نمائندہ تھے؟

اسلامی تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک ایسا گروہ موجود تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو حکومت قائم کرنے کی ایک کوشش سمجھتا تھا۔ اس کا نظریہ مادی تھا اور اس کا نصب العین زر زمین اور اقتدار تھا۔ ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ رسولؐ کو بھی اپنے ہی آئینہ میں دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ رسولؐ نے یہ مشن انہیں مقاصد کے حصول کے لئے شروع کیا ہے۔

ابو سفیان کے خسر عتبہ بن ربیعہ کو قریش نے پیغمبرؐ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا:۔
"محمدؐ! اگر تم اقتدار چاہتے ہو تو ہم تمہیں مکہ کا حاکم بنائے لیتے ہیں اگر کسی بڑے خاندان میں شادی کرنا چاہتے ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی سے شادی کر دیں گے اگر مال و زر چاہتے ہو تو اس سے کہیں زیادہ مال و زر دینے کے لئے تیار ہیں۔ جتنا چاہتے ہو۔ لیکن اپنی اس تبلیغ سے باز آجاؤ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آبا و اجداد جو ان بتوں کی پرستش کرتے تھے احمق تھے۔

قریش کو بالکل یقین تھا کہ "محمدؐ" ان کی پیش کش کو قبول کر لیں گے لیکن پیغمبرؐ نے جواب میں سورہ حٰم سجدہ کی تلاوت فرمائی جس کی تیرہویں آیت میں یہ تنبیہ موجود ہے۔

" فَاِنْ اَعْرَضُوا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ "[۵۴]

" اگر کفار منہ پھیر لیں تو میرے رسولؐ کہدو کہ تمہیں ایسی بجلی کے عذاب سے
ڈراتا ہوں جیسی قوم عاد وثمود پر گری تھی "۔

اس آیت کو سنکر عتبہ بہت زیادہ خوف زدہ ہوا۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر قریش سے کہا: "محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور یہ دیکھو کہ دوسرے قبیلے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس پر قریش نے کہا کہ عتبہ پر بھی "محمدؐ" کا جادو چل گیا ہے۔[۵۵] دوسرے الفاظ میں عتبہ "محمدؐ" کو دوسرے قبیلوں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف جب پیغمبرؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور قریش نے جنگ پر جنگ شروع کی تو دوسرے قبیلے والوں نے یہی مناسب سمجھا کہ پیغمبرؐ کو خود ان کے قبیلہ والوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے۔ رسولؐ خدا کے صحابی عمرو بن سلمہ کا بیان ہے کہ "عرب اس بات کے انتظار میں تھے کہ قریش اسلام قبول کریں، وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ "محمدؐ" کو خود ان کے قبیلہ والوں کے ہاتھ میں چھوڑ دو، اگر پیغمبرؐ اپنے قبیلہ والوں پر غالب آگئے تو وہ یقیناً سچے نبی ہیں اس لئے جب مکہ فتح ہوگیا تو تمام قبائل نے بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کرلیا"[۵۶]

لہٰذا عربوں کے مطابق حق وصداقت کی کسوٹی فتح ونصرت تھی ــــ! اگر خدانخواستہ پیغمبرؐ کو جنگ میں شکست کا سامنا ہوتا تو عرب رسولؐ خدا کو جھوٹا سمجھتے! یہ نظریہ کہ پیغمبرؐ کا مقدس مشن حصول اقتدار کے علاوہ کچھ بھی نہیں ــــ اس کو ابوسفیان اور اس کے اہل خاندان نے کئی مرتبہ بہ بانگ دہل دہرایا۔ فتح مکہ کے موقع

۵۴ سورہ فصلت آیت ۱۳ ۔ ۵۵ سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۲۹۳ ـ ۲۹۴

۵۶ البدایہ والنہایہ ابن کثیر مطبوعہ مکتبہ المعارف بیروت۔ پہلا ایڈیشن ج ۵ ص ۴۰ ۔

پر جب ابوسفیان مکہ سے اس مقصد کے لئے باہر نکلا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت کا اندازہ لگائے تو اس کو پیغمبرؐ کے چچا جناب عباس بن عبدالمطلب نے دیکھ لیا اور اسے لیکر پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے اور حضورؐ سے عرض کیا کہ ابوسفیان کو امان دیں اور کوئی خاص اعزاز عطا فرمائیں تاکہ وہ اسلام قبول کرلے۔ قصہ مختصر یہ کہ جناب عباس، ابوسفیان کو اسلامی لشکر کا معائنہ کرانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے مختلف قبیلوں اور ان کے سربرآوردہ لوگوں کی جانب اشارہ کرکے ابوسفیان کو پہچنوایا جو اسوقت لشکر اسلام میں موجود تھے۔ اسی اثناء میں پیغمبرؐ اپنے اصحاب کے ساتھ ادھر سے گذرے جو سب کے سب سبز لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ابوسفیان چلا اٹھا، عباس! حقیقت میں تمہارے بھتیجے نے ایک بہت بڑی سلطنت قائم کرلی ہے! عباس نے کہا: وائے ہو تجھ پر یہ سلطنت نہیں؛ نبوت ہے![۵۷]

یہاں دونوں متضاد نظریے پہلو بہ پہلو نظر کے سامنے ہیں۔ ابوسفیان نے اپنا نظریہ کبھی نہیں بدلا۔ جب عثمان خلیفہ ہوگئے تو ابوسفیان نے ان کے پاس آکر کہا: "اے آل امیہ! اب، جبکہ حکومت تمہارے پاس آگئی ہے، اس سے اسی طرح کھیلو، جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں اور اس کو اپنے خاندان میں ایک سے دوسرے کی طرف اچھالتے جاؤ، یہ سلطنت ایک حقیقت ہے اور ہمیں یہ نہیں معلوم کہ جنت و دوزخ اور قیامت کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں۔!!"[۵۸]

۵۷ المختصر فی اخبار البشر لابوالفدا عماد الدین اسمٰعیل ج ۱ مطبوعہ بیروت صفحہ ۴۳ ـ ۴۴ ، ۱ و تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۵۹ ـ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۰ء، ۵۸ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۱۶۷۹/ اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی مطبوعہ قاہرہ دوسرا ایڈیشن ۱۳۸۶ ـ ۱۹۶۷ء ج ۹ صفحہ ۵۳ میں ابوسفیان کے جملے یہ ہیں: فوالذی یحلف بہ ابوسفیان ما من عذاب ولا حساب، ولا جنۃ ولا نار، ولا بعث ولا قیامۃ "

پھر وہ احد پہونچا اور رسولؐ کے چچا حمزہؓ کی قبر پر ٹھوکر مار کر کہنے لگا: "اے ابو یعلیٰ!
آج جس حکومت کے لئے تم ہم سے جنگ کر رہے تھے آخر کار وہ ہمارے قبضہ میں آ گئی" ۹
یہی وہ عقائد و نظریات تھے جو ابو سفیان کے پوتے یزید لعنہ کو وراثت میں ملے
تھے جب ہی تو اس نے کہا تھا:

لعبت هاشم بالملك فلا خبر جاء ولا وحی نزل

یعنی: بنی ہاشم نے سلطنت کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا ورنہ نہ تو خدا
کی طرف سے کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ ۱۰

اگر کوئی مسلمان یہی نظریہ رکھتا ہے تو وہ مجبور ہے کہ "امامت" کو "حکومت" سمجھے،
اس مکتبِ فکر کے مطابق پیغمبرؐ کا اصل کام "حکومت" کا قیام تھا۔ لہٰذا جس کے ہاتھ
میں بھی عنانِ حکومت آجائے گی وہ پیغمبرؐ کا حقیقی جانشین ہو جائے گا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ نوے فیصد سے زیادہ انبیاء ایسے گذرے ہیں جن کو کسی قسم
کا بھی سیاسی اقتدار حاصل نہیں تھا اور ان میں سے اکثر ایسے تھے جن پر ان کے دور
کے اربابِ اقتدار، مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں
تھا۔ ان کی شان و شوکت تاج و تخت کی نہیں بلکہ ابتلاء و شہادت کی مرہون تھی۔

اگر نبوت کی بنیادی خصوصیت سیاسی اقتدار اور حکومت ہے تو شاید ایک
لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے مشکل سے پچاس بھی اپنے منصبِ نبوت کو باقی نہیں رکھ
سکیں گے۔

---

۹ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۶ مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۱۳۶
۱۰ تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی تصحیح سید محمد بحر العلوم مطبوعہ طہران صفحہ ۲۶۱
اور تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۰ء جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۷۴

اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ پیغمبرؐ کی بنیادی خصوصیت یہ نہیں تھی کہ وہ کسی سیاسی
اقتدار کے مالک تھے بلکہ یہ تھی کہ وہ اللہ کے نمائندہ تھے۔ یہ نمائندگی ان کو آدمیوں سے
نہیں ملی تھی بلکہ اللہ نے عطا کی تھی۔

اسی طرح ان کے جانشین کی بنیادی خصوصیت سیاسی اقتدار نہیں ہو سکتی بلکہ
یہ بات ہوگی کہ وہ اللہ کا نمائندہ ہے اور یہ نمائندگی کسی کو بندوں کے ہاتھ سے نہیں
مل سکتی۔ اللہ ہی کی جانب سے ملنا چاہیئے۔ مختصر یہ کہ اگر امام اللہ کی نمائندگی کرنے
آیا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے مقرر ہونا چاہیئے۔

(۴) اسلامی قیادت کا سسٹم

ایک دور تھا جب لوگ بادشاہت کے علاوہ کسی اور نظامِ حکومت کو جانتے
ہی نہ تھے اور اس زمانے کے علماء و بادشاہوں اور بادشاہی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے
کہا کرتے تھے "السلطان ظل اللہ" بادشاہ خدا کا سایہ ہے گویا خدا کا بھی کوئی سایہ
ہوتا ہے! اس دورِ جدید میں جبکہ ہر طرف جمہوریت کا بول بالا ہے تو اب سنی علماء بڑے
شد و مد سے ہزاروں مضامین اور کتابوں میں یہ لکھ رہے ہیں کہ اسلامی نظامِ حکومت
ڈیموکریسی اور جمہوریت پر قائم ہے۔ وہ اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں
کہ اسلام ہی نے جمہوریت قائم کی ہے۔ یہ لکھتے ہوئے وہ یونان کی شہری جمہوریتوں کو
بھول جاتے ہیں۔ اس صدی کے نصفِ آخر سے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں
سوشلزم اور اشتراکیت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مجھے مطلق تعجب نہیں ہوتا جب میں یہ
دیکھتا ہوں کہ کچھ نیک نیت علماء اسلام، ایڑی چوٹی کا زور لگا کر یہ ثابت کر رہے
ہیں کہ اسلام سوشلزم کی تعلیم دیتا ہے۔ کچھ لوگوں نے پاکستان وغیرہ میں اس کو

قائم کرنے کے لئے "اسلامی سوشلزم" کا نعرہ ایجاد کیا ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ اسلامی سوشلزم کا مطلب کیا ہے؟ لیکن مجھے تعجب نہ ہوگا کہ اگر دس بیس سال کے بعد لوگ یہ نعرہ لگانے لگیں کہ اسلام "کمیونزم" کی تعلیم دیتا ہے!

ہوا کے رخ پر گھومنے کا یہ طریقہ اسلامی قیادت کے سسٹم کا تمسخر اڑا رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ ایک افریقی ملک میں مسلمانوں کا ایک اجتماع تھا اور اس ملک کا صدر جمہوریہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھا۔ ایک مسلم لیڈر نے اپنی تقریر میں کہا کہ اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ "اطیعوا اللہ" اللہ کی اطاعت کرو۔ "واطیعوا الرسول" اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو "واولی الامر منکم....." اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اپنے حاکم وقت کی اطاعت کرو! اپنے جواب میں صدر مملکت نے جو ایک کٹر رومن کیتھولک تھے کہا: یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن یہ کون سی منطق ہے کہ حکم دیا جائے کہ "حاکم وقت کی اطاعت کرو؟" اگر حاکم وقت ظالم وجابر ہو تو کیا ہوگا، کیا اسلام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ بغیر کسی مقاومت ومزاحمت کے وہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہیں؟!

فہم وفراست سے بھرپور اس دانشورانہ اور چونکا دینے والے سوال کا جواب بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ ایک غیر جانب دار کی حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اگر قرآن کریم کے غلط مفاہیم نہ بیان کئے جاتے تو اس عیسائی صدر کو اتنی جرات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اسلام کو ہدف تنقید بناتا۔

اب آیئے غور کریں کہ اسلام میں قیادت کا نظام کیا ہے، کیا ڈیموکریسی ہے؟

آیئے تو پہلے دیکھیں کہ جمہوریت کے معنی کیا ہیں؟ جمہوریت کی بہترین تعریف ابراہام لنکن نے کی ہے۔ "جمہوریت عوام کی حکومت ہے، جو عوام کے ذریعہ سے عوام کے

لئے ہے۔"

لیکن اسلام میں "عوام کی حکومت" نہیں ہے یہاں صرف اللہ کی حکومت ہے عوام اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتے ہیں؟ وہ اپنے اوپر حکومت کرتے ہیں اپنے قوانین خود بنا کر، لیکن اسلام میں قوانین عوام نہیں، خدا بناتا ہے، ان پر قوانین کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ لوگوں کی رضامندی سے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کے ذریعہ سے، اللہ کے حکم سے۔ عوام کا قانون سازی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس پر عمل کرتے رہیں۔ ان کو ان قوانین اور احکام پر تبصرہ کرنے یا مشورہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے! خداوند عالم اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے:

"وما کان لمؤمن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لهم الخیرة من امرهم....."[۱۱]

"..... کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی کام کا حکم دے تو ان کو اپنے کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو....."

اب ہم دوسرے فقرہ پر آتے ہیں یعنی "عوام کے ذریعہ" ہمیں دیکھنے دیجئے کہ عوام اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتے ہیں، وہ اپنے حکمرانوں کا خود انتخاب کرتے ہیں، مگر پیغمبرؐ جو اسلامی حکومت کی انتظامیہ اور عدلیہ بلکہ تمام شعبوں کے اعلیٰ ترین حاکم تھے، آپ کو عوام نے منتخب نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ کو اجازت ہوتی کہ وہ اپنی پسند کا رہبر منتخب کرلیں تو وہ طائف کے عروہ بن مسعود یا مکہ کے ولید بن مغیرہ کو خدا کا رسول منتخب کرتے! جیسا کہ قرآن کریم اس کی وضاحت فرمارہا ہے:

---

[۱۱] سورہ احزاب آیۃ ۳۶

"قالوا لولا انزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔"[۱۲]

کہنے لگے "یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا"

لہٰذا اسلامی مملکت کے سربراہ کے انتخاب میں نہ صرف یہ کہ عوام کی کوئی رائے نہیں لی گئی بلکہ حقیقت میں عوامی ترجیحات کے برخلاف حضورؐ کا تعین ہوا۔ پیغمبر اسلام اعلیٰ حکومت کے مالک ہیں اور آپ کی ذات میں حکومت کے تمام شعبے مجتمع ہیں اور وہ عوام کے منتخب کردہ نہیں تھے۔

مختصر یہ کہ نہ تو اسلامی حکومت "عوام کی حکومت" ہے اور نہ ہی "عوام کے ذریعہ سے" ہے۔ یہاں عوام قانون نہیں بناتے اور انتظامیہ اور عدلیہ عوام کے سامنے جواب دہ نہیں اور نہ ہی یہ "حکومت عوام کے لئے" ہے۔ اسلامی نظام شروع سے آخر تک اللہ کے لئے ہے۔ ہر کام "صرف خدا کے لئے" ہونا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ کوئی کام عوام کے لئے ہوا تو اس کو شرک خفی کہتے ہیں۔ جو کام بھی انسان کرے چاہے عبادات ہوں یا معاملات، سماجی خدمات ہوں یا خاندانی امور، والدین کی اطاعت ہو یا حقوق ہمسایہ، امامت نماز جماعت ہو یا کوئی عدالتی کارروائی، جنگ ہو یا صلح ہر کام قربۃ الی اللہ ہونا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی نظام حکومت، اللہ کی حکومت ہے، اللہ کے نمائندے کے ذریعہ، اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[۱۳] "میں نے جن و انس کو صرف پیدا کیا مگر یہ کہ میری عبادت کریں" یہ الٰہی حکومت ہے اور یہی اسلامی قیادت کی خصوصیت اور خاصیت ہے اب آئندہ فصلوں میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ تشریح آیت "اطاعت اولی الامر" پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

---

[۱۲] سورہ زخرف آیۃ ۳۱ اور ملاحظہ ہو: لباب النقول فی اسباب النزول: سیوطی مطبوعہ مع جلالین دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۸۹/۱۴۹

[۱۳] سورہ الذاریات آیت ۵۶

حصّہ دوم
شیعوں کا نقطۂ نظر

(۵) امامت کی ضرورت اور امام کے ضروری خصوصیات

(الف) **امام کی ضرورت :** شیعی نقطہ نظر سے امامت عقلاً ضروری ہے۔ یہ ایک لطف خدا ہے۔ لطف خدا اس فعل کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بغیر کسی جبر کے بندے خدا کی فرمانبرداری سے قریب اور اس کی نافرمانی سے دور ہو جائیں اور شیعہ علم کلام میں یہ بات پایہ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ ایسا لطف خدا پر واجب ہے۔ فرض کرو خدا اپنے بندے کو کوئی حکم دیتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ بندہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا اور بندہ کے لئے اسکی بجا آوری ناممکن یا بہت ہی دشوار ہے اور یہ دشواری یا عدم امکان اسی وقت ختم ہوگا جب خدا بندے کی مدد کرے، ایسی صورت میں اگر اللہ بندے کی مدد نہیں کرتا تو گویا خدا خود اپنے مقصد کو باطل کر رہا ہے۔ ظاہر ہے ایسی غفلت عقلاً قبیح ہے، اور خدا ہر قبیح سے مبرا ہے، اسی مدد کو لطف کہتے ہیں اور لطف عقلاً اللہ پر واجب ہے۔

امامت ایک لطف خداوندی ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب عوام کے لئے ایک رئیس اور رہبر ہوگا، جس کی وہ اطاعت کرتے ہوں، جو ظالموں سے مظلوموں کا حق دلوائے تو عوام نیکیوں سے قربت اور برائیوں سے دوری اختیار کریں گے۔

چونکہ امامت ایک لطف ہے لہٰذا اللہ پر واجب ہے کہ امام کو مقرر کرے تاکہ وہ رسولؐ کے بعد امت کی ہدایت کرتا رہے۔ [1]

---

[1] شرح باب حادی عشر علامہ حلی صفحہ ۵۰ اور ۶۲ و ۶۴

(ب) **افضلیت** :۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ کی طرح امام بھی امت سے ہر صفت میں افضل ہوتا ہے۔ چاہے علم ہو یا شجاعت، تقویٰ ہو یا سخاوت، یا ایسے ہی دوسرے صفات اور اس کو الٰہی قوانین کا پورا علم ہونا چاہیئے اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہ منصب اعلیٰ کسی ایسے کے حوالے کر دیا جائے جو اپنے دور میں مفضول ہو، جبکہ اس سے افضل موجود ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مفضول کو افضل پر ترجیح دی گئی جو عقلاً قبیح اور عدل خداوندی کے خلاف ہے اس لئے خدا کسی افضل کے ہوتے ہوئے کسی مفضول کو عہدۂ امامت نہیں دے سکتا۔[2]

(ج) **عصمت** :۔ امامت کی ایک دوسری صفت "عصمت" ہے اگر امام معصوم نہ ہوگا تو خطا کا امکان باقی رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام جھوٹ بول دے[3]

اول تو امام کے معصوم نہ ہونے کی صورت میں جو حکم وہ دے گا اس کی صحت پر کامل بھروسہ نہیں کیا جا سکے گا۔

دوسرے یہ کہ امام حاکم ہے اور امت کا رہنما ہے لہٰذا امت پر فرض ہے کہ بغیر کسی چون وچرا کے ہر معاملہ میں اس کی پیروی کرے۔ اب اگر امام گناہ کا مرتکب ہو تو امت پر بھی اس گناہ کا ارتکاب فرض ہو جائے گا۔ اس صورت حال کی نامعقولیت اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ گناہ میں اطاعت قبیح ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا امام کی ایک ہی بات میں اطاعت بھی واجب ہو گی اور نافرمانی بھی اور ایک ہی وقت میں امام کی اطاعت اور نافرمانی دونوں واجب ہو۔ یہ صریحاً مہمل بات ہے۔

تیسرے اگر امام کے لئے گناہ کا ارتکاب ممکن ہوگا تو دوسرے افراد پر یہ فرض

---

[2] شرح باب حادی عشر صفحہ ۶۹

[3] شرح باب حادی عشر صفحہ ۶۸

عائد ہوگا کہ وہ امام کو گناہ سے روکیں۔ کیونکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ دوسروں کو حرام کاموں سے روکے۔ ایسی صورت میں امام لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو جائے گا اور اس کی عزت ختم ہو جائے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کی قیادت ورہبری کے بجائے خود وہ امت کا پیرو کار ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی امامت ہی بیکار ہو جائے گی۔

چوتھے یہ کہ امام الٰہی قوانین کا محافظ ہوتا ہے اور تحفظ قانون الٰہی ایک ایسی ذمہ داری ہے جو غیر معصوم ہاتھوں میں نہیں دی جا سکتی اور نہ غیر معصوم الٰہی قوانین کا کماحقہ تحفظ کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ خود نبوت کے لئے "عصمت" ایک لازمی شرط تسلیم کی گئی ہے اور وہی اسباب جن کی بنا پر نبوت کے لئے "عصمت" لازمی سمجھی جاتی ہے انہیں اسباب کی بنا پر امامت اور خلافت کے لئے "عصمت" ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں تیرہویں باب میں "اولوالامر" کی بحث میں "عصمت" کی ضرورت کو مزید واضح کیا جائیگا۔

(د) **خدا کی طرف سے تعین** :۔ جس طرح صرف ان صفات کے پائے جانے کی وجہ سے کوئی شخص خود بخود نبی نہیں ہو سکتا اسی طرح خود بخود امام بھی نہیں ہو سکتا۔ امامت کوئی اکتسابی عہدہ نہیں کہ انسان محنت کر کے یہ عہدہ کسب کر لے بلکہ یہ خدائی عطیہ ہے[4] جو اس کے خاص بندوں کو ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیعہ اثناعشری فرقہ کا عقیدہ ہے کہ رسولؐ کا جانشین صرف خدا مقرر کر سکتا ہے اس مسئلہ میں امت کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ امت کا فریضہ صرف یہ ہے کہ خدا کے مقرر کردہ امام یا خلیفہ کی پیروی کرتی رہے۔ اس کے مقابلہ میں اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ خلیفہ کا تقرر کرے۔

---

[4] شرح باب حادی عشر صفحہ ۶۸

(۱) مندرجہ ذیل آیتیں شیعوں کے عقیدے کی تصدیق و تائید کرتی ہیں:

"وربك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله تعالى عما يشركون"۔(۵)

"اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں اس سے خدا پاک اور کہیں برتر ہے۔"

اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کو کسی قسم کے انتخاب کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ کام مکمل طور پر خدا کے اختیار میں ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا:

"انی جاعل فی الارض خلیفہ"(۶)

"بہ تحقیق میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

جب ملائکہ نے خدائی اسکیم کے خلاف مودبانہ لہجہ میں اعتراض کیا تو ان کے اعتراض کو ایک مختصر سے جواب سے اڑا دیا گیا۔ "انی اعلم ما لا تعلمون"(۷)

"جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔"

اگر خلیفہ کی تقرری میں معصوم ملائکہ کی دخل اندازی نہیں پسند کی گئی تو غیر معصوم افراد کون ہوتے ہیں کہ ان کو پورا اختیار دیدیا جائے کہ جس طرح چاہیں خلیفہ بنا لیں؟

---

(۵) سورہ قصص آیۃ ۶۸

(۶) سورہ بقرہ آیۃ ۳۰

(۷) سورہ بقرہ آیۃ ۳۰

اللہ نے حضرت داؤد نبیؑ کو روئے زمین پر خود خلیفہ بنایا ہے فرمایا: یاداؤد انا جعلناك خليفة في الارض(۸) "اے داؤد بہ تحقیق ہم نے تمہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔"

ملاحظہ فرمائیں کہ خلیفہ یا امام کے تقرر کو کس طرح خدا نے ہر جگہ صرف اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو آواز دی جا رہی ہے: "قال انی جاعلك للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین"(۹)

خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا "امام" بنانے والا ہوں (حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کی اور میری اولاد میں سے۔ فرمایا (ہاں) لیکن میرا عہد ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔

امامت کے متعلق بہت سے سوالات کے جوابات اس آیت سے معلوم ہو جاتے ہیں:

(الف) اللہ نے فرمایا: "بہ تحقیق میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔" اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے جو امت کے دائرہ اختیار سے بالکل باہر ہے۔

(ب) "میرا یہ عہد ظالمین کو نہیں پہونچے گا۔" اس سے یہ واضح ہو گیا کہ غیر معصوم "امام" نہیں ہو سکتا۔ منطقی طور پر ہم بنی نوع انسان کو چار گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ جو ساری زندگی ظالم رہا ہو۔

۲۔ جنہوں نے زندگی بھر ظلم ہی نہیں کیا۔

---

(۸) سورۃ ص آیۃ ۲۶

(۹) سورۃ بقرہ آیۃ ۱۲۴

۳۔ جو پہلے ظالم تھے اور بعد میں توبہ کرلی اور عادل ہو گئے۔
۴۔ جو ابتدائی زندگی میں ظالم نہیں تھے بعد میں ظالم بن گئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ آپ پہلے اور چوتھے گروہ کی امامت کے لئے خدا سے سوال کرتے اب دو گروہ باقی رہ جاتے ہیں۔ یعنی دوسرا اور تیسرا جو اس دعا میں شامل ہو سکتا ہے۔ اللہ نے ان میں سے بھی ایک کو مسترد کر دیا ہے۔ یعنی وہ گروہ جو ابتدائی زندگی میں ظالم رہا ہو مگر آخر میں ظلم سے توبہ کرکے عادل ہو گیا ہو۔ اب صرف ایک ہی گروہ باقی رہ جاتا ہے جو امامت کا مستحق ہے جس نے زندگی بھر کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو یعنی جو معصوم ہو۔

(ج) آخری جملہ کا ترجمہ یہ ہے: "میرا عہد ظالمین تک نہیں پہونچے گا" یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "ظالمین میرے اس عہدہ تک نہیں پہونچ سکتے" کیونکہ اس جملہ سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ یہ انسان (البتہ جو عادل ہو) کے اختیار میں ہے کہ عہدہ امامت تک پہونچ جائے۔ مگر جو جملہ اللہ نے استعمال فرمایا ہے اس سے اس طرح کی کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی بلکہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حصول امامت فرزند آدم کے اختیار میں بالکل نہیں بلکہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے یہ عہدہ عطا کرتا ہے۔

پھر ایک عام قاعدہ کے طور پر فرمایا:

"وجعلناهم آئمة يهدون بامرنا" (۱۰)
"ان سب کو (لوگوں کا) امام بنایا کہ ہمارے حکم سے اُنکی ہدایت کرتے تھے۔"

(۱۰) سورہ انبیاء آیت ۷۳۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک وزیر کی ضرورت ہوئی کہ وہ ان کی نبوت کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے تو انہوں نے خود اپنے اختیار سے کسی کو اپنا وزیر نہیں مقرر کیا بلکہ انہوں نے خدا سے دعا کی "واجعل لي وزيرا من اهلي هٰرون اخي" (۱۱) اور میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔"

خدا نے جواب دیا: "قد اوتيت سؤلك يا موسىٰ" (۱۲) فرمایا "اے موسیٰ تمہاری سب درخواستیں منظور کرلی گئیں۔"

اس خدائی انتخاب کا امت کے درمیان اعلان یا نبیؐ کے ذریعہ ہوتا ہے یا سابق امام اعلان کرتا ہے اور اس اعلان کو "نص" کہتے ہیں جس کے لفظی معنی ہیں: "توضیح" اور تعین اور اصطلاحی معنی ہیں: "نبی یا سابق امام کے ذریعہ مابعد کے امام کا اعلان"۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق امام کو منصوص من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے معین کردہ ہونا چاہئے۔

۷۔ **معجزہ**: اگر کسی امامت کے دعویدار کے بارے میں کوئی "نص" نہ معلوم ہو تو صرف ایک ہی طریقہ اس کی سچائی کے معلوم کرنے کا ہے اور وہ ہے معجزہ (۱۳) ویسے تو کوئی انسان یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ امام یا خلیفہ رسول اور معصوم ہے۔ ایسی صورت میں حقیقت حال معلوم کرنے کا واحد اور یقینی طریقہ صرف معجزہ ہے۔ اگر امامت کا دعویدار اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی معجزہ دکھلائے تو بغیر کسی شک وشبہ کے اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اگر وہ معجزہ دکھلانے میں ناکام رہا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ امامت

(۱۱) سورہ طٰہٰ آیت ۲۹۔۳۰۔ (۱۲) سورہ طٰہٰ آیت ۳۶ (۱۳) شرح باب حادی عشر ص ۶۹

وخلافت کے شرائط کو پورا نہیں کرسکتا اور وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

عملدرآمد: ہمیشہ سے انبیاء کرام کا یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ حکم خدا کے مطابق بغیر امت کی کسی قسم کی مداخلت کے اپنے خلیفہ اور جانشین کا اعلان کیا کرتے تھے۔ انبیاء سلف کی تاریخ ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی نبی کا جانشین امت کے "ووٹ" کے ذریعہ منتخب ہوا ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ خاتم النبیین ص کے جانشین کے سلسلہ میں خدا کا ہمیشہ سے جاری رہنے والا یہ قانون بدل جائے۔ خدا فرماتا ہے: "لن تجد سنۃ اللہ تبدیلا" (۱۴) "تم خدائی قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے!"

عقلی دلائل: وہ تمام عقلی دلائل جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ نبی ص کا تقرر خداوند عالم کا مخصوص اختیار ہے انہیں دلائل سے اتنی ہی طاقت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کے جانشین کا تقرر بھی خدا ہی کی جانب سے ہونا چاہیئے۔

نبی ہی کی طرح امام اور خلیفہ کا تقرر بھی اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ خدائی کاموں کو انجام دے، اسے خدا کے سامنے جواب دہ ہونا چاہیئے اگر عوام اس کا تقرر کریںگے تو اس کی وفاداری اللہ کے لئے نہیں بلکہ عوام کے لئے ہوگی کہ جو اس کے اقتدار کی بنیاد ہوں گے، وہ ہمیشہ لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گا اس لئے کہ اگر اس پر سے امت کا اعتماد اٹھ گیا تو امت اسے معزول کرسکتی ہے۔ لہذا وہ اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو بلا کھٹکے غیر جانب داری کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا بلکہ اس کی نگاہیں ہمیشہ حالات کے رخ اور سیاسی اتار چڑھاؤ

(۱۴) سورہ احزاب آیت ۶۲

پہ لگی رہیں گی اس طرح خدا کا کام بگڑ جائے گا۔

تاریخ اسلام کے صفحات میں ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی کہ صدر اسلام سے آخر تک، لوگوں کے بنائے ہوئے خلفاء نے کس طرح مذہب کے اصول وارکان کی بے محابا دھجیاں اڑائی ہیں۔ مقصد یہ کہ یہ دلیل صرف عقلی قیاس آرائی نہیں ہے، بلکہ یہ ٹھوس تاریخی حقائق کی بنیاد پر قائم ہے۔

(۲) انسان کے دل کی بات اور اندرونی خیالات و نظریات کو صرف خدا ہی جان سکتا ہے۔ ایک انسان کی طینت و فطرت کیسی ہے اوپر سے دیکھ کر کوئی بھی نہیں بتلا سکتا۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص تصنع سے اپنے کو متقی اور پرہیزگار اور احکام خدا کی پابندی کرنے والا ظاہر کرے تاکہ لوگ اس سے متاثر ہوں۔ لیکن ریاکارانہ دینداری سے اس کا اصل مقصد تحصیل دنیا ہو۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ عبدالملک بن مروان کو لیجیئے جو سارا وقت مسجد میں عبادت اور قرآن کی تلاوت میں صرف کیا کرتا تھا وہ قرآن کی تلاوت کررہا تھا جب اسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ دنیا سے رخصت ہوگیا اور لوگ اس کی بیعت کرنے کے لئے مجتمع ہیں اس نے قرآن بند کیا اور کہا: "ھذا فراق بینی و بینک" (۱۵) "میرے اور تیرے درمیان اب چھٹم چھٹا۔"

چونکہ امام اور خلیفہ کے لئے جو صفات، خصوصیات اور شرائط لازمی ہیں ان کو حقیقت میں صرف اللہ ہی جان سکتا ہے لہذا صرف خدا ہی کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ امام اور خلیفہ کا تقرر کرے۔

(۱۵) تاریخ الخلفاء سیوطی مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱۷

۶۔ **عصمت**: آیئے اب دیکھیں کہ اہل بیت پیغمبرؐ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن کے مطابق وفات رسولؐ کے وقت یہ چار ذوات مقدسہ ہر قسم کے گناہ سے پاک اور معصوم تھے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام جن کے بارے میں خدا فرماتا ہے: " انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"۔ (۱۶)

"اے (پیغمبرؐ کے) اہلبیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔"

ملت اسلامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مندرجہ بالا چار حضرات یقیناً اہل بیت پیغمبرؐ ہیں جو ہر قسم کے رجس سے پاک و منزہ اور معصوم ہیں۔ اس آیت کے پہلے اور بعد کی آیتوں میں ازواج پیغمبرؐ کو خطاب کیا گیا ہے اور مونث ضمیریں استعمال کی گئی ہیں لیکن اس آیت میں مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں، یہ اندازہ کرنا کہ یہ آیت اس جگہ کیوں رکھی گئی ہے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ مشہور عالم علامہ پویا مرحوم نے ایس وی میر احمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن کریم کے حاشیہ نمبر ۱۸۵۷ میں تحریر فرمایا ہے: آیۂ کریمہ کا یہ حصہ جس میں اہل بیت طاہرینؑ کی خدائی عصمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی سیاق وسباق کی آیات کے ساتھ توضیح وتشریح کرنا ضروری ہے آیت کا یہ حصہ بالکل علیحدہ ہے جو ایک خاص موقع پر علیحدہ نازل ہوئی لیکن اسے ازواج رسولؐ کا تذکرہ کرنے والی آیات کے ضمن میں رکھا گیا ہے۔ اگر آیت کی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس ترتیب کے پیچھے ایک اہم مقصد کارفرما ہے۔ اس آیت کے ابتدائی حصہ میں تانیث

---

(۱۶) سورہ احزاب آیت ۳۳

کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں لیکن اس ٹکڑے میں تانیث سے ہٹ کر مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں جہاں پر ازواج پیغمبر کا ذکر ہے ضمیریں مسلسل ہیں۔ جب مردوں اور عورتوں کے مخلوط مجمع کو خطاب کرنا ہوتا ہے تو عام طور سے ضمیر مذکر استعمال کی جاتی ہے۔ عربی زبان وقواعد کے ماتحت ضمائر کی یہ تبدیلی اس بات کو بالکل واضح کر دیتی ہے کہ یہ جملہ ایک بالکل علیحدہ مفہوم ظاہر کر رہا ہے اور اس کا مخاطب ایک ایسا گروہ ہے جو پہلے گروہ سے علیحدہ ہے اور اس جملے کو یہاں اس لئے رکھا گیا ہے کہ ازواج رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ کے باہمی مدارج کا فرق واضح کر دیا جائے

ربیب رسولؐ حضرت عمر و بن ابی سلمہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت پیغمبرؐ جناب ام المومنین ام سلمہ کے گھر پر تھے کہ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی: "اے (پیغمبرؐ کے) اہلبیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔" اس وقت پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند حسنؑ وحسینؑ اور شوہر یعنی اپنے ابن عم کو اپنے پاس جمع کیا اور پھر سب کو اپنے ساتھ اپنی چادر اڑھا کر خدا سے دعا کی، خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھ اور اس طرح طاہر و مطہر قرار دے جس طرح طاہر و مطہر رکھنے کا حق ہے۔ رسولؐ کی صاحب خیر زوجہ حضرت ام سلمہ نے اس عظیم الشان موقع پر رسولؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں بھی اس بزم میں شامل ہو جاؤں؟" حضورؐ نے جواب دیا، "نہیں، تم اپنی جگہ پر رہو، بیشک تم خیر پر رہو۔"

یہاں پر موقع نہیں کہ اس آیہ کریمہ سے متعلق بے شمار حوالے دئے جائیں لہذا مشہور سنی عالم مولانا وحید الزماں کے حوالے پر اکتفا کی جا رہی ہے

جنھوں نے قرآن کا ترجمہ اور تفسیر تحریر کی ہے اور قرآن و حدیث کی ایک لغت بھی لکھی ہے جس کا نام "انوار اللغتہ" ہے۔ وہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " بعضوں نے اس کو خاص رکھا ہے نسبی گھر والوں سے یعنی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ اور حسنؑ و حسینؑ سے۔ مترجم کہتا ہے صحیح مرفوع حدیثیں اسی کی تائید کرتی ہیں کہ جب آنحضرت نے خود بیان فرمایا کہ میرے گھر والے یہ لوگ ہیں تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور ایک قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس میں اول و آخر جمع مونث حاضر کی ضمیر سے خطاب ہے اور اس میں جمع مذکر کی ضمیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان آیتوں کے بیچ میں رکھدی گئی ہے جن میں ازواج مطہرات سے خطاب تھا اور شاید صحابہ نے اجتہاد سے ایسا کیا واللہ اعلم۔ (۱۶)

اس کے علاوہ "انوار اللغتہ" میں مولوی صاحب موصوف بذیل حدیث کسار لکھتے ہیں " صحیح یہ ہے کہ آیت تطہیر میں یہی پانچ حضرات مراد ہیں گو عرب کے محاورہ میں اہلبیت ازواج کو بھی شامل ہے اس سے بعضوں نے یہ نکالا ہے کہ یہ حضرات خطا اور گناہ سے معصوم تھے۔ خیر اگر معصوم نہ تھے تو محفوظ ضرور تھے۔" (۱۷)

اگرچہ میں خود ان کے بعض خیالات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں۔ جب بھی میں نے یہ حوالے صرف اس لئے دئے ہیں کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نہ صرف

(۱۶) تفسیر وحیدی مولوی وحید الزماں بر حاشیہ ترجمہ قرآن کریم۔ گیلانی پریس لاہور۔ پارہ ۲۲۔ صفحہ ۵۴۹۔ حاشیہ نمبر ۷

(۱۷) انوار اللغتہ مولوی وحید الزماں مطبوعہ بنگلور، پارہ ۲۲، صفحہ ۵۱

شیعہ اثنا عشری بلکہ علمائے اہلسنت بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ عربی قواعد کے مطابق اور صحیح و متصل احادیث رسولؐ کے لحاظ سے یہ آیت رسولؐ کے ساتھ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہمارا دعویٰ کہ یہ حضرات معصوم تھے علمائے اہلسنت کو بھی قبول ہے اور یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ حضرات ان خمسۂ نجبا کو معصوم نہ سہی تو گناہوں سے محفوظ ضرور سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیات و احادیث ہیں جو اہلبیت کی عصمت کی گواہی دیتی ہیں لیکن اختصار مدنظر ہے لہذا اتنے ہی پر اکتفا کی جا رہی ہے۔

۷۔ افضلیتِ علیؑ

افضلیت یعنی: خدا کے نزدیک اپنے عملِ خیر کی وجہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہونا۔ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہم اس افضلیت کا تعین اپنے خیالات کی بنیاد پہ نہیں کر سکتے اور اس کو جاننے کا کوئی ذریعہ سوائے قرآن یا حدیث کے نہیں۔

مشہور عالم اہلسنت امام غزالی لکھتے ہیں: افضلیت کی حقیقت کو صرف اللہ جانتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا سوائے رسولؐ خدا کے"(۱۸) اکثر برادران اہلسنت افضلیت علیٰ ترتیب الخلافۃ کے قائل ہیں یعنی: سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر پھر عثمان اور پھر علیؑ۔ لیکن یہ عقیدہ کسی دلیل

(۱۸) احیاء العلوم امام ابوحامد الغزالی ج ا باب دوم صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۵ء

پر مبنی نہیں ہے اور نہ صدر اسلام کے اہلسنت اس عقیدے کے قائل تھے۔
دورِ پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابہ جیسے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد کندی، عمار بن یاسر، خباب بن ارت، جابر بن عبداللہ انصاری، حذیفہ یمانی، ابوسعید الخدری، زید بن ارقم وغیرھم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت علیؑ تمام اہلبیت اور صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔ (۱۹)

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ ان سے مسئلہ افضلیت کو دریافت کیا تو انہوں نے کہا: "ابوبکر پھر عمر اور پھر عثمان"۔ ان کے بیٹے نے پوچھا: "اور علی ابن ابی طالب؟" انہوں نے جواب دیا: "وہ اہلبیت رسولؐ میں سے ہیں، دوسروں کا اُن سے کیا مقابلہ؟" (۲۰)

علامہ عبیداللہ امرتسری اپنی مشہور کتاب ارجح المطالب میں لکھتے ہیں کہ
"چونکہ افضلیت سے اکثریتِ ثواب مراد ہے، اکثریت ثواب کا ثبوت صرف مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے مل سکتا ہے اور احادیث میں تعارض واقع ہے۔ پس جبکہ تعارض واقع ہو تو جانب اولیٰ کو ترجیح دینا چاہیے اور احادیث قوی اور ضعیف کا خیال رکھنا چاہیے۔

جناب امیر علیہ السلام کے فضائل میں جو احادیث کہ وارد ہوئی ہیں، ان کی نسبت علامہ عبدالبر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں بذیل ترجمہ جناب امیر علیہ السلام لکھتے ہیں:

قال احمد بن حنبل و اسمٰعیل بن اسحاق القاضی و احمد بن

(۱۹) الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۰
(۲۰) ینابیع المودۃ سید سلیمان قندوزی صفحہ ۲۵۳۔ مطبوعہ استنبول

علی بن شعیب النسائی و ابوعلی النیسابوری: لم یرد فی فضائل احد من الصحابۃ بالاسانید الجیاد ما روی فی فضائل علی بن ابیطالبؑ۔ (۲۱)

یعنی احمد بن حنبل اور قاضی اسمٰعیل بن اسحاق اور امام احمد بن علی بن شعیب النسائی اور ابوعلی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ جس قدر جید سندوں کے ساتھ حدیثیں جناب علی بن ابیطالب علیہ السلام کے حق میں روایت ہوئی ہیں ویسے کسی صحابی کے حق میں نہیں ہوئیں۔

اس کے ماسوا اگر جناب امیر کی خصوصیات کو دیکھا جائے اور آپ کے امور کثرتِ ثواب کے اسباب پر غور کیا جائے تو جناب امیرؑ ہی افضل الناس بعد خیر البشر نظر آتے ہیں۔ (۲۲)

مصنف موصوف خود سنی تھے اور انہوں نے اس موضوع پر اپنی اسی کتاب میں تیسرے باب میں صفحہ ۱۰۳ کے شروع سے صفحہ ۵۱۶ کے آخر تک مفصل بحث کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں ان آیات اور احادیث کی فہرست بھی نہیں پیش کی جا سکتی جو افضلیت امیر المومنین علیہ السلام کو ثابت کرتی ہیں مختصر یہ کہ حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کے فضل میں کم از کم چھیاسی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں اور احادیث کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک سرسری

(۲۱) الاستیعاب ابن عبدالبر ج ۳ صفحہ ۱۱۱۵ مطبوعہ مصر
(۲۲) ارجح المطالب عبیداللہ امرتسری صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱ مطبوعہ لاہور

نظر سے دیکھنے والا بھی اس بات کو تسلیم کرے گا کہ حضرت علیؑ بعد رسولؐ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔

۸۔ امیر المومنینؑ کا تعیّن

حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کی عصمت اور افضلیت کو بیان کرنے کے بعد سب سے اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی جا رہی ہے اور وہ ہے آپ کا تعین اور تقرر من جانب اللہ۔

بہت سے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حضرت علیؑ حضورؐ کے جانشین اور خلیفہ ہیں۔

حقیقت میں روز اول جب پیغمبرؐ نے اپنی رسالت و نبوت کا اعلان فرمایا اسی موقع پر آپؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا بھی اعلان فرما دیا تھا اور آپ نے یہ دونوں اعلان "دعوتِ عشیرہ" کے موقع پر فرمائے۔

جب پیغمبرؐ پر آیت "وانذر عشیرتک الاقربین"(۲۳) "اے رسولؐ تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ" نازل ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ کھانے کا انتظام کریں۔ اور آلِ عبدالمطلب کو دعوت دیں، تاکہ پیغمبرؐ خدائی پیغام ان تک پہنچائیں۔ کھانے کے بعد پیغمبرؐ حاضرین سے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ابولہب نے یہ کہہ کر آپ کی بات کاٹنے کی کوشش کی کہ "حقیقت میں تمہارے ساتھی نے تمہارے اوپر جادو کر دیا ہے۔" یہ جملہ سنتے ہی سب متفرق ہو گئے۔

(۲۳) سورہ شعراء آیہ ۲۶

رسولِ خدا نے دوسرے دن پھر آلِ عبدالمطلب کو دعوت دی۔ جیسے ہی ان لوگوں نے کھانا ختم کیا تو پیغمبرؐ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
"اے آلِ عبدالمطلب میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی سعادت لے کر آیا ہوں، مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ لہٰذا تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے تاکہ میرے بعد وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا"۔ کسی نے نبیؐ کی دعوت پر لبیک نہیں کہی سوائے حضرت علیؑ کے جو اس مجمع میں سب سے کم سن تھے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا! "لوگو! یہ علیؑ تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے، اس کی بات سنو! اور اس کی اطاعت کرو! (۲۴)

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ تاریخ طبری مطبوعہ لیڈن ۱۸۷۹ء کے صفحہ ۲۱۷۱ پر پیغمبرؐ کے الفاظ اس طرح ہیں "وصیی و خلیفتی" "میرا وصی اور میرا خلیفہ"۔ لیکن یہی تاریخ طبری مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۳ء میں پیغمبرؐ کے الفاظ کو بدل کر "کذا وکذا ۔۔ اس طرح اور اس طرح!" کر دیا گیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ قاہرہ ایڈیشن میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ لیڈن ایڈیشن کے مطابق ہے۔

(۲۴) الکامل ابن اثیر مطبوعہ بیروت ج ۵ صفحہ ۶۲-۶۳، ۱۹۶۵/۱۳۸۵۔ معالم التنزیل ابو محمد حسین بغوی، لباب التاویل علی بن محمد الخازن البغدادی۔ جمع الجوامع السیوطی، کنز العمال حافظ علی المتقی المختصر فی اخبار البشر ابوالفدار۔ تاریخ طبری مطبوعہ لیڈن صفحہ ۱۱۷۳ ۱۸۷۹ء
T.Carlyle, Heroes and Hero worship; Gibbon Decline and Fall of the Roman Empire; Davenport, Apology for Mohammed and the Koran Irving W, Mohammad and his successors.

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ علمی دنیا میں دیانتداری اور استقامت کو سیاسی مقاصد پر بھینٹ چڑھا دیا جائے۔!

۹۔ ولایتِ علیؑ قرآن میں

اس کے بعد بہت سے مواقع پر بہت سی آیات اور احادیث مسلمانوں کو علیؑ کی ولایت کی جانب متوجہ کرتی ہیں کہ علیؑ بعد پیغمبرؐ ان کے ولی و حاکم ہیں ان اہم آیات میں سے ایک آیت ولایت ہے: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (۲۵) " بس تمہارا ولی صرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں"

شیعہ و سنی علماء متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت سے پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے ولی صرف تین ہیں۔ سب سے پہلے اللہ ہے، پھر اس کا رسول اور تیسرے حضرت علیؑ (اور آپ کی اولاد میں گیارہ امام)

ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ ایک دن وہ پیغمبرؐ کے ساتھ نماز میں مشغول تھے کہ ایک سائل مسجد النبیؐ میں داخل ہوا اور اس نے سوال کیا۔ کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔ اب سائل نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا: خدایا! گواہ رہنا کہ میں تیرے نبی کی مسجد میں سوالی بن کر آیا اور کسی نے مجھے کچھ نہیں دیا"

(۲۵) سورہ مائدہ آیہ ۵۵

اس وقت حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنی انگشت مبارک سے (جس میں انگوٹھی تھی) اشارہ کیا، سائل نے بڑھ کر انگوٹھی اتار لی اور چلا گیا۔

یہ واقعہ رسول کی موجودگی میں پیش آیا اور آنحضرتؐ نے اپنا روئے مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا کی: خدایا! میرے بھائی موسیٰ نے یہ دعا کی کہ: ان کے لئے شرح صدر کر دے، ان کے کام کو آسان کر دے، ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات سمجھنے لگیں اور ان کے اہل سے ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دے اور ہارون کے ذریعے ان کی پشت کو مضبوط کر دے اور ہارون کو ان کے کام میں ان کا شریک قرار دے، خدایا! تو نے موسیٰ سے فرمایا: ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ذریعے مضبوط کر دیں گے اور کوئی تم دونوں میں سے کسی ایک تک بُری نیّت سے نہیں پہنچ سکتا۔ خدایا! میں محمدؐ ہوں اور تو نے مجھے فضیلت عطا کی ہے میرے سینے کو میرے لئے کشادہ کر دے، میرے امور کو میرے لیے آسان کر دے اور میرے اہل سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعے میری پشت کو مضبوط کر"۔ ابھی پیغمبرؐ کی دعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ جبرئیل مذکورہ بالا آیت لیکر نازل ہوئے (۲۶)۔

اس جگہ اس حدیث کے سیکڑوں حوالوں کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت اور پیغمبرؐ کی دعا دونوں مل کر اور علیحدہ علیحدہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کا ولی و حاکم مقرر کیا تھا۔

(۲۶) درالمنثور سیوطی۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی صفحہ ۲۶ ج ۱۲ مطبوعہ تہران، نورالابصار شبلنجی، تفسیر کشاف زمخشری ج ۱ صفحہ ۶۴۹

۱۰۔ غدیرِ خم کا اعلانِ عام

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت کے بارے میں غدیر سے پہلے جتنے اعلانات ہوئے وہ سب غدیر کا مقدمہ تھے۔

اس واقعہ کو تمام شیعہ و سنی علماء و محققین اور مورخین نے متفقہ طور پر اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ ہم یہاں ایک مختصر سا خاکہ پیش کر رہے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان کرنے کے لئے کیسے زبردست انتظامات کئے گئے تھے۔

غدیرِ خم مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ میں واقع ہے جس وقت پیغمبرؐ اپنا آخری حج بجالانے کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں خداوند عالم کا یہ فوری حکم لے کر جبرئیل نازل ہوئے:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔" (۲۷)

"اے رسول! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور خدا تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔"

یہ سنتے ہی رسولؐ فوراً ٹھہر گئے اور آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ آگے

(۲۷) سورہ مائدہ آیہ ۶۷

بڑھ گئے ہیں انہیں واپس بلایا جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کا انتظار کیا جائے۔ جب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے تو پالانِ شتر کا منبر بنایا گیا۔ میدان سے درخت کانٹے صاف کئے گئے۔ پیغمبرؐ منبر پر تشریف لے گئے اور ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت تک شدید گرمی تھی اور ریت بہت تپ رہا تھا۔ لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اپنی عبا کا ایک حصہ اپنے سر پر ڈالے تھے اور دوسرا پیروں کے نیچے بچھائے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا کچھ اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

معاشر الناس ... ان جبرئیل ھبط الی مرارا ثلثا یامرنی عن السلام ربی وھو السلام ان اقوم فی ھذا المشھد فاعلم کل ابیض واسود ان علی ابن ابیطالب اخی ووصیی وخلیفتی والامام من بعدی الذی محلہ منی محل ھٰرون من موسی الا انہ لا نبی بعدی وھو ولیکم بعد اللہ ورسولہ۔

" لوگو! ..... جبرئیل میرے پاس تین مرتبہ آئے اور میرے پروردگار کی طرف سے' جو خود سلام ہے' یہ حکم مع سلام لائے کہ میں اس مقام پر کھڑا ہوں اور ہر گورے اور کالے کو یہ اطلاع دوں کہ علی ابن ابیطالب میرے بھائی اور میرے وصی اور میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں' ان کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ سے تھی' فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد تم سب کا ولی ہے..."

... فاعلموا معاشر الناس ان اللہ قد نصبہ لکم
ولیا واماما مفترضاً طاعتہ علی المہاجرین و
الانصار وعلی التابعین لھم باحسان وعلی البادی
والحاضر وعلی الاعجمی والعربی والحر والمملوک
والصغیر والکبیر وعلی الابیض والاسود وعلی کل
موحد ماض حکمہ جائز قولہ نافذ امرہ
ملعون من خالفہ مرحوم من تبعہ ومن صدقہ
فقد غفر اللہ لہ ولمن سمع منہ واطاع لہ۔

معاشر الناس انہ اخر مقام اقومہ فی
ہذا المشہد فاسمعوا واطیعوا وانقادوا لامر
ربکم فان اللہ عزوجل ہو ربکم ولیکم والٰھکم
ثم من دونہ رسولہ محمد ولیکم القائم المخاطب
لکم ثم من بعدی علی ولیکم وامامکم بامر
اللہ ربکم ثم الامامۃ فی ذریتی من ولدہ الی
یوم القیامۃ ثم یلقون اللہ ورسولہ۔

.... اے لوگو! تم سمجھ لو کہ اللہ نے علی کو یقیناً تمہارے
واسطے ایسا ولی اور ایسا امام مقرر کر دیا ہے جس کی اطاعت مہاجرین
پر بھی لازم ہے اور انصار پر بھی اور جو نیکی میں ان کے تابع ہیں
ان پر بھی، صحرا نشینوں پر بھی اور شہر کے رہنے والوں پر بھی،
عجمی پر بھی اور عربی پر بھی، آزاد پر بھی اور غلام پر بھی، بچے پر بھی اور
بوڑھے پر بھی، گورے پر بھی اور کالے پر بھی، ہر خدا کے واحد

یکتا ماننے والے پر اس کا حکم جاری ہوگا، اس کا قول ماننا پڑیگا
اس کا فرمان نافذ ہوگا جو اس کی مخالفت کرے گا ملعون ہو
جائے گا اور جو اس کی متابعت اور اس کی تصدیق کرے گا اس
پر رحم کیا جائے گا کہ اللہ نے خود اس کو مغفور فرمایا ہے اور جو
شخص اس کی بات سنے گا اور اس کی اطاعت کریگا اس کو بھی۔

اے لوگو! یہ آخری موقع ہے کہ میں ایسے مجمع میں کھڑا ہوا
ہوں، پس تم سنو اور مانو اور اپنے پروردگار کے حکم کی اطاعت
کرو کہ خدائے عزّ وجل تمہارا پروردگار اور تمہارا ولی اور تمہارا
معبود ہے پھر اس کے بعد اس کا رسول محمدؐ تمہارا ولی ہے۔ جو اس وقت
کھڑا ہوا تم سے بات کر رہا ہے پھر میرے بعد تمہارے پروردگار
کے حکم سے علی تمہارا ولی اور تمہارا امام ہے پھر قیامت کے دن
تک یعنی اس دن تک کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے حضور میں
پہنچو گے امامت میری اولاد میں چلی جائے گی جو علیؑ کی صلب
سے ہوگی ....

... معاشر الناس! تدبروا القرآن وافہموا
آیاتہ وانظروا الی محکماتہ ولا تتبعوا متشابہہ
فو اللہ لن یبین لکم زواجرہ ولا یوضح لکم تفسیرہ
الا الذی انا آخذ بیدہ ومصعدہ الی وشائل
بعضدہ ومعلمکم ان من کنت مولاہ فہذا
علی مولاہ وہو علی بن ابیطالب، اخی ووصیی
وموالاتہ من اللہ عزوجل

انزلها علی ... (۲۸)

... لوگو! قرآن مجید میں غور کرو اور اس کی آیتوں کو سمجھو اور اس کے محکمات میں نظر ڈالو اور اس کے متشابہات کی پیروی نہ کرو، خدا کی قسم اس کی تنبیہات سوائے اُس شخص کے جس کا ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوں اور جس کو میں اپنی طرف اٹھائے ہوئے ہوں اور جس کا بازو میں تھامے ہوئے ہوں ـــ کوئی تمہارے لئے واضح نہیں کرے گا نہ اس کی تفسیر بیان کرے گا اور تمہیں بتاتا ہوں کہ بیشک جس کا میں مولا ہوں یہ علی بھی اس کا مولا ہے اور یہ علی بن ابیطالب ہے جو میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے اور اس کا یہ ولی ہونا اللہ کی طرف سے ہے اور اسی نے مجھ پر نازل فرمایا ہے ....."

اس خطبہ میں اختصار کے ساتھ دوسرے آئمہ طاہرین کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے اور پیغمبرؐ نے دوسری احادیث میں تفصیل کے ساتھ تمام آئمہ طاہرین کے نام بیان فرمائے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک موقع پر پیغمبرؐ نے امام حسین علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "تم امام ہو، فرزند امام ہو، برادر امام ہو اور تمہاری نسل میں نو امام ہوں گے جن میں کا نواں قائم عج ہوگا۔" (۲۹)

اس واقعہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی اس حقیقت کو محسوس کرلے گا کہ یہ اسلام کا انتہائی اہم مسئلہ تھا اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے حکم خدا کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے ہر ممکن انتظام کیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ عرب کا تپتا

(۲۸) الاحتجاج طبرسی ج ۱ ص ۷۴ (۲۹) ینابیع المودۃ باب ۷۷

ہوا صحرا، جھلسا دینے والی دھوپ، نصف النہار پر آفتاب اور رسولؐ پالان شتر کے منبر پر تشریف لے جاتے ہیں۔ پہلے طویل خطبہ ارشاد فرما کر اپنے وصال کے قرب کی خبر دی پھر ان کو اس بات پر گواہ بنایا کہ آنحضرت نے کامل طریقے سے تبلیغ رسالت کا فرض انجام دیا ہے۔ اس کے بعد ان سے سوال کیا: "الست اولی بکم من انفسکم؟" کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا ہوں؟ سب نے ایک آواز ہو کر کہا: بلی یا رسول اللہ! بیشک یا رسول اللہ۔ تب پیغمبرؐ نے فرمایا: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔ آخر میں علیؑ کے لئے اس طرح دعا فرمائی: "اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ ... وانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ" خدایا! اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے ... اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اس کو چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

جب جانشینی کی تقریب انجام پا چکی تو یہ آیت نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (۳۰) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کرلیا۔"

اس الٰہی فرمان سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علیؑ کی امامت پر تقرری سے دین کامل ہوا اور اللہ کی نعمتیں تمام ہوئیں اور اللہ اسلام سے راضی ہوگیا۔

(۳۰) سورہ مائدہ آیۃ ۳

جب خدا کی جانب سے خوش خبری کا یہ پیغام آیا تو لوگوں نے پیغمبرؐ کے سامنے علیؑ کو مبارکباد دی اور شعراء نے قصیدے پڑھے۔ یہ تمام حقائق کتب احادیث میں موجود ہیں جن کا ہم آگے ذکر کر رہے ہیں۔

الف۔ حدیث غدیر متواتر ہے

پیغمبرؐ اسلام کے اِس خطبہ میں حدیث ثقلین اور حدیث ولایت بڑی اہمیت کی حامل ہیں جو کہ اہلسنت کی مستند کتابوں میں درج ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا: "میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑ رہا ہوں ... ۱۔ کتاب خدا ... ۲۔ میری عترت جو کہ میرے اہلبیتؑ ہیں اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آئیں، اللہ میرا ولی ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں"۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں"۔ ان دونوں حدیثوں کو "حدیثِ ثقلین" اور "حدیث ولایت" کہتے ہیں۔ دونوں کو سیکڑوں محدثین نے ملا کر اور الگ الگ درج کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تحریر فرماتے ہیں: "حاکم ابو سعید کہتا ہے کہ حدیث موالات اور حدیث غدیر خم کو ایک جماعتِ صحابہ نے روایت کیا ہے اور اس کی نقل متواتر چلی آرہی ہے حتیٰ کہ حدِ تواتر کے اندر داخل ہو چکی ہے اور محمد بن جریر طبری نے حدیث غدیر خم کے لئے پچھتر ۷۵ طرق اسناد ذکر کئے ہیں اور اس کے لئے اس نے ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب الولایت" رکھا ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے اسناد میں ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس حدیث کے متواتر ہونے کا حکم دیا ہے اور ابو العباس

بن عقدہ نے حدیث غدیر خم کو ایک سو پچاس اسانید سے بیان کیا ہے (۳۱) پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ (۳۲)

بعض مصنفین نے یہ کوشش کی ہے کہ حدیث غدیر کی صحت پر شبہ پیدا کر دیں اس لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے اور مشہور محقق علامہ امینیؒ نے اپنی کتاب الغدیر کی پہلی جلد میں مکمل حوالوں کے ساتھ ایک سو دس اصحابِ رسولؐ کے نام درج کئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ میں یہاں وہ چند نام درج کر رہا ہوں جو الف سے شروع ہوتے ہیں اور ان کا سن وفات بھی قوسین میں درج ہے:۔

۱۔ ابو لیلیٰ انصاری (متوفی ۳۷ھ)؛ ۲۔ ابو زینب بن عوف الانصاری، ۳۔ ابو فضالہ الانصاری (متوفی ۳۸ھ)؛ ۴۔ ابو قدامہ الانصاری (متوفی) ۵۔ ابو عمرہ بن عمر محصن الانصاری؛ ۶۔ ابو الھیثم بن یتہان (متوفی ۳۷ھ)، ۷۔ ابو رافع القبطی (آپ پیغمبرؐ کے غلام تھے)؛ ۸۔ ابو ذوئیب خویلد یا خالد الہذلی؛ ۹۔ اسامہ بن زید بن حارثہ (متوفی ۵۴ھ)؛ ۱۰۔ ابی بن کعب الانصاری (متوفی ۳۰ یا ۳۲ھ)؛ ۱۱۔ اسعد بن زرارہ الانصاری؛ ۱۲۔ اسماء بنت عمیس ۱۳۔ ام المومنین ام سلمہ؛ ۱۴۔ ام ہانی بن ابیطالبؑ؛ ۱۵۔ ابو حمزہ انس بن مالک الانصاری؛ ۱۶۔ ابو بکر بن ابی قحافہ؛ ۱۷۔ ابو ہریرہ (۳۲)۔ ان ایک سو دس صحابہ کے علاوہ تقریباً ۸۴ تابعین نے بھی اس حدیث کو مندرجہ بالا

---

(۳۱) منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی دہلی صفحہ ۱۲-۱۳ و صد ۹۲

(۳۲) الغدیر عبدالحسین الامینی ج ۱ دارالکتب الاسلامیہ طہران ص ۱۲-۱۸ ۱۳۷۲ھ

صحابہ کرام سے روایت کیا ہے ان میں چند الف سے شروع ہونے والے نام یہاں بطور مثال لکھے جاتے ہیں:

۱۔ ابو راشد الحرانی الشامی ۲۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ۳۔ ابو سلیمان المؤذن ۴۔ ابو صالح السمان ذکوان المدنی ۵۔ ابو عنفوانہ المازنی ۶۔ ابو عبدالرحمٰن الکندی، ۷۔ ابو قاسم اصبغ بن نباتہ التمیمی، ۸۔ ابو لیلی الکندی، ۹۔ ایاس بن نذیر۔ (۳۳)

محدثین نے ہر دور میں اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ یہاں پر ہم دوسری صدی ہجری کے چند محدثین کے نام دے رہے ہیں: ۱۔ ابو محمد عمرو بن دینار الجمحی المکی (متوفی ۱۱۵۔ ۱۱۶ھ)؛ ۲۔ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ القرشی الزہری (متوفی ۱۲۴ھ)؛ ۳۔ عبدالرحمٰن بن قاسم بن ابی بکر التیمی المدنی (متوفی ۱۲۶ھ)؛ ۴۔ بکر بن سوادہ بن ثمامۃ ابو ثمامہ البصری (متوفی ۱۲۸ھ)؛ ۵۔ عبداللہ بن ابی نجیح یسار الثقفی ابو یسار المکی (متوفی ۱۳۱ھ)؛ ۶۔ الحافظ مغیرہ بن مقسم ابو ہشام الضبی الکوفی (متوفی ۱۳۳ھ)؛ ۷۔ ابو عبدالرحمٰن خالد بن زیاد الجمحی البصری (متوفی ۱۳۹ھ)؛ ۸۔ حسن بن الحکم النخعی الکوفی (متوفی تقریباً ۱۴۰ھ)؛ ۹۔ ادریس بن یزید ابو عبداللہ الاودی الکوفی؛ ۱۰۔ یحیی بن سعید بن حیان التیمی الکوفی (متوفی ۱۴۵ھ)؛ ۱۱۔ عوف بن ابی جمیلہ العبدی الہجری البصری (متوفی ۱۴۶ھ)؛ ۱۲۔ حافظ عبدالملک بن ابی سلیمان العرزمی الکوفی (متوفی ۱۴۵ھ)؛ ۱۳۔ عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العدوی المدنی (متوفی ۱۴۷ھ)؛ ۱۴۔ نعیم الحکیم المدائنی (متوفی ۱۴۸ھ)؛ ۱۵۔ طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ بن عبیداللہ التیمی

(۳۳) الغدیر صفحہ ۶۲۔ ۶۳ ج ۱

الکوفی (متوفی ۱۴۸ھ)؛ ۱۶۔ ابو محمد کثیر بن زیاد الاسلمی (متوفی تقریباً ۱۵۰ھ) ۱۷۔ الحافظ محمد بن اسحاق المدنی (متوفی ۱۵۱۔ ۱۵۲ھ)؛ ۱۸۔ الحافظ معمر بن راشد ابو عروہ الازدی البصری ۱۵۳۔ ۱۵۴ھ؛ ۱۹۔ الحافظ مسعر بن کدام بن ظہیر الہلالی الرواسی الکوفی ۱۵۳۔ ۱۵۴ھ؛ ۲۰۔ ابو عیسیٰ حکم بن ابان العدنی ۱۵۴۔ ۱۵۵ھ؛ ۲۱۔ عبداللہ بن شوذب البلخی البصری (۱۵۷ھ)؛ ۲۲۔ الحافظ شعبہ بن الحجاج ابو بسطام الواسطی (۱۶۰ھ)؛ ۲۳۔ الحافظ ابو العلاء کامل بن العلاء التیمی الکوفی (تقریباً ۱۶۰ھ)؛ ۲۴۔ الحافظ سفیان بن سعید الثوری ابو عبداللہ الکوفی (۱۶۱ھ)؛ ۲۵۔ الحافظ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ابو یوسف الکوفی (۱۶۲ھ)؛ ۲۶۔ جعفر بن زیاد الکوفی الاحمر (۷۔ ۱۶۵ھ)؛ ۲۷۔ مسلم بن سالم النہدی ابو فروہ الکوفی؛ ۲۸۔ حافظ قیس بن الربیع ابو محمد الاسدی الکوفی (۱۶۵ھ)؛ ۲۹۔ حافظ حماد بن سلمہ ابی سلمۃ البصری (۱۶۷ھ)؛ ۳۰۔ حافظ عبداللہ بن لھیعہ ابو عبدالرحمٰن البصری (۱۷۴ھ)؛ ۳۱۔ حافظ ابو عوانہ الوضاح بن عبداللہ الیشکری الواسطی البزاز (۶۔ ۱۷۵ھ)؛ ۳۲۔ القاضی شریک بن عبداللہ ابو عبداللہ النخعی الکوفی (۱۷۷ھ)؛ ۳۳۔ حافظ عبداللہ یا عبیداللہ بن عبیدالرحمٰن یا عبدالرحمٰن الکوفی ابو عبدالرحمٰن الاشجعی (۱۸۲ھ)؛ ۳۴۔ نوح بن قیس ابو روح الحدانی البصری (۱۸۳ھ)؛ ۳۵۔ المطلب بن زیاد ابن ابی زہیر الکوفی ابو طالب (۱۸۵ھ)؛ ۳۶۔ قاضی حسان بن ابراہیم العنزی ابو ہاشم (۱۸۶ھ)؛ ۳۷۔ حافظ جریر بن عبدالحمید ابو عبداللہ الضبی الکوفی الرازی (۱۸۸ھ)؛ ۳۸۔ الفضل بن موسیٰ ابو عبداللہ المروزی السینانی (۱۹۲ھ)؛ ۳۹۔ حافظ محمد بن جعفر المدنی البصری (۱۹۳ھ)؛ ۴۰۔ حافظ اسمٰعیل بن

علیہ ابو بشر بن ابراہیم الاسدی (۱۹۳ھ)؛ ۴۱ - حافظ محمد بن ابراہیم ابو عمرو بن ابی عدی السلمی البصری (۱۹۴ھ)؛ ۴۲ - حافظ محمد بن حازم ابو معاویہ التمیمی الضریر (۱۹۵ھ)؛ ۴۳ - حافظ محمد بن فضیل ابو عبد الرحمٰن الکوفی (۱۹۵ھ)؛ ۴۴ - حافظ الوکیع بن الجراح الرواسی الکوفی (۱۹۶ھ)؛ ۴۵ - حافظ سفیان بن عیینہ ابو محمد الہلالی الکوفی (۱۹۸ھ)؛ ۴۶ حافظ ابو عبد اللہ بن نمیر ابو ہشام الہمدانی الخریفی (۱۹۹ھ)؛ ۴۷ - حافظ حنش بن الحرث بن لقیط النخعی الکوفی؛ ۴۸ - ابو محمد موسیٰ بن یعقوب الزمعی المدنی؛ ۴۹ - العلاء بن سالم العطار الکوفی؛ ۵۰ - الازرق بن علی بن مسلم الحنفی ابو الجہم الکوفی؛ ۵۱ - ہانی بن ایوب الحنفی الکوفی ۔ ۵۲ فضیل بن مرزوق الاغر الرواسی الکوفی (تقریباً ۱۶۰ھ)؛ ۵۳ - ابو حمزہ سعد بن عبیدہ السلمی الکوفی؛ ۵۴ - موسیٰ بن مسلم الحزامی الشیبانی ابو عیسیٰ الکوفی الطحان (موسیٰ الاصغر)؛ ۵۵ یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری المدنی (۲۴۲ھ)؛ ۵۶ - عثمان بن سعد بن مرۃ القرشی ابو عبد اللہ ابو علی الکوفی: ۔ ۔ ۔ ۔ (۳۴)

یہ واضح ہوگیا کہ اس حدیث کو ہر طبقہ میں اتنے راویوں نے بیان کیا ہے کہ جو اس کو متواتر در متواتر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ رہا علماء و محدثین کا مسئلہ جنہوں نے اپنی احادیث کی کتابوں میں اس حدیث کو بیان کیا ہے تو یہ لکھ دینا کافی ہے کہ علامہ امینی رہ نے ہر قرن کے مصنفین کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد ۳۶۰ ہوتی ہے۔ (۳۵)

بعض لوگوں نے اس حدیث کے اسناد میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ علم حدیث کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ

(۳۴) الغدیر ج ۱ صفہ ۷۳-۸۱ (۳۵) الغدیر ج ۱ صفہ ۷۳-۱۵۱

اگر حدیث متواتر ہے تو ایک ایک سند کا جانچنا اور پرکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس اعتراض کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ مشہور محدثین کے اقوال یہاں درج کئے جاتے ہیں:

ب۔ اسنادِ حدیث غدیر:

الف - حافظ ابو عیسیٰ الترمذی (متوفی ۲۷۹ ہجری) نے اپنی کتاب صحیح ترمذی میں ــ جو کہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے ــ کہا ہے: ھٰذا حدیث حسنٌ صحیحٌ - یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ (۳۶)

ب:- حافظ ابو جعفر الطحاوی (متوفی ۲۷۹ ہجری) نے اپنی کتاب "مشکل الآثار" میں لکھا ہے: "فھذا الحدیث صحیح الاسناد ولا طعن لاحد فی رواتہ" یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور اس کے راویوں کے بارے میں کسی نے کوئی قدح نہیں کی ہے۔ (۳۷)

ج - ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ہجری نے اپنی کتاب مستدرک میں اس حدیث کو کئی اسناد سے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "یہ حدیث صحیح ہے"۔ (۳۸)

د - ابو محمد احمد بن محمد العاصمی نے لکھا ہے: "وھذا حدیث تلقتہ الامۃ بالقبول وھو موافق بالاصول" اس حدیث

(۳۶) صحیح ترمذی مطبوعہ قاہرہ ج ۲ صفہ ۲۹۸ سنہ ۱۲۹۲

(۳۷) مشکل الآثار طحاوی مطبوعہ حیدر آباد ج ۲ صفہ ۳۰۸ سنہ ۱۳۳۳

(۳۸) مستدرک الحاکم نیشاپوری مطبوعہ بیروت ج ۳ صفہ ۱۰۹-۱۱۰

کو اُمت نے قبول کیا ہے اور یہ اصول کے عین مطابق ہے۔ (۳۹)

اسی طرح سیکڑوں محدثین میں سے مندرجہ ذیل محدثین نے بھی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے : ۱۔ ابو عبداللہ المحاملی البغدادی نے اپنی کتاب الامالی میں ۲۔ ابن عبدالبر القرطبی نے الاستیعاب میں ۳۔ ابن المغازلی الشافعی نے المناقب میں ۴۔ ابو حامد الغزالی نے سر العالمین میں ۵۔ ابوالفرج ابن الجوزی نے المناقب میں ۶۔ سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ خواص الاُمۃ میں ۷۔ ابن ابی الحدید المعتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں ۸۔ ابو عبداللہ الگنجی الشافعی نے کفایۃ الطالب میں ۹۔ ابوالمکارم علاء الدین سمنانی نے العروۃ میں ۱۰۔ ابن حجر العسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ۱۱۔ ابن کثیر الدمشقی نے اپنی تاریخ میں ۱۲۔ جلال الدین سیوطی ...... ۱۳۔ القسطلانی نے المواھب اللدنیہ میں ۱۴۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ۱۵۔ عبدالحق دہلوی نے شرح المشکوٰۃ میں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔ (۴۰)

مندرجہ بالا تمام محدثین سُنّی ہیں اور سُنّیوں کی اصطلاح میں حدیث کو صحیح اُس وقت کہا جاتا ہے جبکہ حدیث کو تسلسل کے ساتھ ایسے رواۃ نقل کریں جو عادل ہوں، جن کا حافظہ قوی ہو نیز اس میں کوئی نقص نہ ہو اور وہ شاذ نہ ہو۔ (۴۱) اگر حدیث کی سند میں مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہوں لیکن اس کے ایک یا زیادہ رواۃ کا حافظہ اس معیار کا نہ ہو جو حدیث کو صحت کے درجے تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے تو اس حدیث کو "حسن"

(۳۹) زین الفتیٰ العاصمی (۴۰) الغدیر ج ۱ صفحہ ۲۹۴ - ۳۰۴

(۴۱) علوم الحدیث و مصطلحاتہ صبحی صالح مطبوعہ بیروت صفحہ ۱۴۵ ۱۹۶۸ء

کہتے ہیں۔ (۴۲)

لہٰذا۔ جب سُنّی علماء یہ کہیں کہ "حدیث غدیر" "صحیح" ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نظر میں اس کے رواۃ عادل ہیں یعنی ان کے عقیدے یا عمل میں کوئی نقص نہیں، ان کا حافظہ قوی ہے اور نہ اس حدیث میں کوئی نقص ہے اور نہ یہ "شاذ" ہے۔

ج۔ لفظ مولا کے لغوی معنیٰ :

چونکہ سُنّی حضرات حدیثِ غدیر کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ "مولا" کے مفہوم کو ہلکا کر دیں۔ لہٰذا وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فقط یہ اعلان کرنا چاہا تھا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے یہ علی بھی دوست ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ میدانِ غدیر کے مجمع میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جس نے مولا کے معنی "دوست" سمجھے ہوں۔ بارگاہ رسالت کے مشہور شاعر حسان بن ثابت نے اسی وقت ایک قصیدہ کہا اور اسی مجمع میں پڑھا اور سامعین سے داد لی جس کی ایک بیت یہ ہے :

فقال له قم یا علی فاننی

رضیتک من بعدی اماما و هادیا

پیغمبرؐ نے ان سے فرمایا: "اے علی! اُٹھو! اس لئے کہ میں اس بات سے خوش ہوں کہ اپنے بعد تمہیں امام اور ہادی مقرر کروں۔"

(۴۲) مذکورہ بالا ماخذ صفحہ ۱۵۶

حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ کو ان الفاظ میں مبارکباد پیش کی:

"ھنیئًا لک یا بن ابیطالب اصبحت وامسیت مولٰی کل مومن و مومنۃ" (۴۳) "اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو کہ آج کے دن تم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے!"۔ اگر مولا کے معنی دوست کے ہیں تو یہ مبارکباد کاہے کی ہے؟ اور کیا اس دن سے پہلے علیؑ مومنین اور مومنات کے "دشمن" تھے جو حضرت عمر نے یہ کہا کہ "آج" کے دن تم سب کے دوست ہو گئے؟!!

حضرت علیؑ نے خود بھی معاویہ کو لکھا "۔۔۔۔ پیغمبرؐ خدا نے روز غدیر خم اپنے تمام اختیارات مجھے سونپ کر تمہارا مولا بنایا تھا۔" (۴۴) اس کے علاوہ رسولؐ کے بہت سے صحابہ کرام نے بھی اپنے اشعار میں غدیر خم کا واقعہ نظم کیا ہے جہاں انہوں نے "مولا" کے معنی "حاکم" کے لئے ہیں۔

علوم قرآن اور عربی ادب کے سیکڑوں ماہرین نے "مولا" کے معنی "اولیٰ" کے بیان کئے ہیں جس کا مطلب اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر چند نام یہاں درج کئے جاتے ہیں: ابن عباس (تفسیر ابن عباس میں)، الکلبی اور الفراء (جن کے اقوال تفسیر کبیر میں درج ہیں)، ابو عبیدہ معمر بن مثنی البصری (جن کا قول تفسیر کبیر اور شرح المواقف الجرجانی میں درج ہے)، اخفش (جن کا قول نہایۃ العقول میں درج ہے)، امام بخاری (صحیح بخاری جلد ۷، صفحہ ۲۴۰ میں)، ابن قتیبہ (قرطین میں)، الشیبانی (شرح السبعۃ المعلقۃ الزوزانی میں)، طبری (اپنی تفسیر میں)، الواحدی (الوسیط میں)، الثعلبی (الکشف و البیان میں)، الزمخشری (الکشاف میں)، البیضاوی (تفسیر بیضاوی میں)، النسفی (اپنی تفسیر میں)، الخازن البغدادی (اپنی تفسیر میں)، محب الدین [illegible] آیات میں)۔ (۴۵)

د۔ مولا کے معنی سیاق و سباق میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کے سیاق و سباق سے مولا کے کیا معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوتا ہو تو اس کے صحیح معنی معلوم کرنے کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے قرائن اور سیاق و سباق پر نظر کی جائے۔ اس حدیث میں بہت سے قرائن ایسے ہیں کہ جس سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہاں پر "مولا" سے سوائے "حاکم و سردار" کے دوسرے معنی مُراد لئے ہی نہیں جا سکتے جن میں چند قرینے حسب ذیل ہیں:

اوّلاً اس اعلان سے قبل رسولؐ خدا نے مجمع سے سوال کیا:

"الست اولیٰ بکم من انفسکم؟" کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ اولیٰ بالتصرف نہیں ہوں؟ جب مجمع نے جواب دیا "بلیٰ یا رسول اللہ!" ہاں بیشک یا رسول اللہ! تب پیغمبرؐ نے اعلان فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ

---

(۴۳) مشکوۃ المصابیح، حبیب السیر، تفسیر طبری۔ المسند الشیبانی المصنف ابی شیبہ، المسند احمد بن علی ابو یعلی الولایۃ احمد بن یعقوب وغیرہ

(۴۴) الغدیر صفحہ ۳۴۰

(۴۵) تفصیلی حوالوں کے لئے علامہ الامینی کی الغدیر جلد اول صفحہ ۳۴۴-۳۵۰ ملاحظہ فرمائیں

علیؑ بھی مولا ہیں"۔ اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہاں "مولا"
کے وہی معنی ہوں گے جو اس کے ماقبل کے سوال میں "اولیٰ بکم" کے ہیں۔ کہ۔
تم پر "اولیٰ بالتصرف ہوں اور کم از کم ۶۴ سُنّی محدثین نے پیغمبرؐ کے اس سوال کو
نقل کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل، ابن ماجہ، نسائی اور ترمذی شامل ہیں۔[۴۶]

دوسرے: پیغمبرؐ نے اعلان کے فوراً بعد یہ دعا فرمائی "اللھم
وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل
من خذلہ"۔ "خدایا! تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور
اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کو دشمن رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اس
کو چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے"۔ اس دعا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس
دن علیؑ کو کوئی ایسی اہم ذمہ داری سونپی گئی تھی جس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ کچھ
لوگ ان کے دشمن ہو جائیں (اور وہ غیر معمولی ذمہ داری سوائے حکمران بنانے
کے اور کوئی نہیں ہو سکتی) اور جس فریضہ کی انجام دہی میں ان کو ناصر و مددگار
کی ضرورت پڑے گی کیا کبھی کسی نے سنا ہے کہ دوستی نبھانے کے لئے مددگار
کی ضرورت ہو۔

تیسرے پیغمبرؐ کا یہ اعلان کہ: "وہ وقت قریب ہے کہ مجھے بلایا
جائے گا اور میں دعوت قبول کر لوں گا" نیز آخر میں یہ کہنا کہ: "یہ آخری
موقع ہے کہ میں ایسے مجمع میں کھڑا ہوں"۔ ان جملوں سے صاف ظاہر ہے کہ
رسول اللہؐ اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کی رہبری کا انتظام کر رہے تھے۔

چوتھے: صحابہ کرام کی مبارکباد یا ان کے اظہار مسرت کے بعد لفظ

(۴۶) الغدیر صفحہ ۳۷۰-۳۷۱

"مولا" کے معنی میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

پانچویں: موقع، جگہ اور وقت، غور کرو کہ پیغمبرؐ دوپہر میں اپنا
سفر روک دیتے ہیں اور عرب کے اس تپتے ہوئے صحرا میں اپنے ساتھ چلنے
والے کم از کم ایک لاکھ حاجیوں کو بھی رکنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کو یہ بھی حکم
ہوتا ہے کہ کانٹوں سے بھری اسی جلتی زمین پر بیٹھ جاؤ اور پھر پالان شتر
کا منبر بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ تصور کرو کہ پیغمبرؐ ایک طویل خطبہ ارشاد
فرماتے ہیں اور ان تمام اہتمامات کے بعد آخر میں صرف اتنا سا اعلان کرتے
ہیں کہ: "جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ علیؑ سے محبت کرے یا جس کا میں
دوست ہوں اس کے یہ علیؑ بھی دوست ہیں"!

ایسا طریقہ کار کیا کسی انسان کے لئے پسند کیا جا سکتا ہے جو تھوڑی سی
بھی عقل رکھتا ہو؟! جواب واضح ہے کہ نہیں! مگر کچھ لوگ رسول خداؐ پر
ایسے بچگانہ فعل کا الزام لگاتے سے نہیں شرماتے!

۱۱۔ علیؑ نفس رسولؐ ہیں

قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن سے علیؑ بن ابیطالب کی خلافت
ثابت ہوتی ہے، اس مختصر سے کتابچے میں ان سب کی فہرست بیان
کرنا بھی ممکن نہیں ہے صرف "مباہلہ" کے واقعہ کو دیکھئے جو ۹ ہجری میں
پیش آیا۔

اس سال نصارائے نجران کے چودہ لیڈروں پر مشتمل ایک وفد
پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ان کی پیغمبرؐ سے ملاقات ہوئی تو
انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا: حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں آپ کیا فرماتے

ہیں ؟ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "آج تم لوگ آرام کرو اور اس کے بعد تمہیں جواب دونگا"۔

دوسرے دن سورہ آل عمران کی تین آیتیں ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ حضرت عیسٰی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جب عیسائیوں نے خدائی فرمان قبول نہیں کیا اور اپنے عقیدے پر مُصر رہے تو پیغمبرؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: فمن حاجک فیه من بعد ماجاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله علی الکاذبین"(۴۷)

" جو شخص عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر ہم خدا کی طرف رجوع کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں "۔

دوسرے دن ایک طرف سے عیسائی نکلے اور دوسری طرف سے خدا کا نبیؐ اپنے بیت الشرف سے اس طرح برآمد ہوا کہ حسینؑ آغوش میں اور حسنؑ نانا کی انگلی پکڑے ہوئے اور پیغمبرؐ کے پیچھے فاطمہؑ زہرا اور ان کے پیچھے حضرت علیؑ تھے۔ جب نصاریٰ نے ان پانچ نورانی چہروں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم ان سے مباہلہ نہیں کریں گے اور اس کے بجائے انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔

جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت کے مطابق اس آیت میں "ابنائنا"

(۴۷) آل عمران ۶۱

سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں، "نسائنا" سے مراد حضرت فاطمہؑ زہرا ہیں اور "انفسنا" سے مراد خود پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا حضرت علیؑ کو اس آیت میں "رسولؐ کا نفس" کہا گیا ہے۔ (۴۸)

یہ ناجائز ہے کہ کوئی شخص خود کو پیغمبرؐ سے افضل سمجھے اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ کوئی علیؑ کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے کیونکہ فرمانِ الٰہی کے مطابق علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں۔ اب اگر کوئی بھی حضرت علیؑ سے آگے بڑھنے کا خیال دل میں لائے تو یقیناً وہ اتنا جری ہے کہ رسولؐ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا۔

۱۲۔ چند احادیث

غدیر خم کے اعلان کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا مزید ثبوت پیش کیا جائے۔ پھر بھی اس سلسلے میں چند حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں:

پہلی حدیث ثقلین ہے جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: "انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی ابدا وانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

" میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک کتابِ خدا اور دوسرے میری عترت جو کہ میرے اہل بیت ہیں اگر تم ان

(۴۸) اسباب النزول واحدی صفحہ ۷۵ الدر المنثور سیوطی مطبوعہ بیروت ج ۲ صفحہ ۳۸

دونوں سے تمسک اختیار کروگے تو کبھی میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔"

ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ حضرت علیؑ نہ صرف یہ کہ اہل بیت میں داخل ہیں بلکہ اہل بیت کے سردار ہیں، لہٰذا تمام محدثین کے نزدیک یہ متفق علیہ حدیث حضرت علی بن ابیطالب کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتی ہے۔(۴۹)

دوسری حدیث منزلت ہے۔ جب رجب ۹ھ میں پیغمبرؐ جنگِ تبوک کے لئے روانہ ہورہے تھے تو آپؐ نے مدینہ میں حضرت علیؑ کو اپنا نائب مقرر فرمایا حضرت علیؑ نے نہایت حسرت سے یہ کہا کہ آپ مجھے یہاں کیوں چھوڑ رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: یا علی! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

پیغمبرؐ کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو اپنی جگہ نائب بنایا تھا تاکہ وہ ان کی امت کی دیکھ بھال اور نگرانی کریں اسی طرح سے رسولؐ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنی جگہ نائب بنایا تاکہ آپ بھی حضورؐ کی امت کی نگرانی فرمائیں اور حضورؐ کی عدم موجودگی میں امت کی رہنمائی کرتے رہیں۔ اس کو حدیث منزلت کہا جاتا ہے۔(۵۰)

---

(۴۹) یہ حدیث بہت سی کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے مثال کے طور پر: صحیح ترمذی ج ۲ مطبوعہ قاہرہ ۱۲۹۲ھ صفحہ ۳۰۸ / ابن الاثیر، اسد الغابہ ج ۲ مطبوعہ دمشق ۱۲۸۵ھ صفحہ ۱۲/ الدر المنثور سیوطی ج ۶ صفحہ ۷/ کنز العمال متقی ہندی ج ۱ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۱۲ھ صفحہ ۴۸

(۵۰) ابن ماجہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۲، احمد بن حنبل المسند ج ۱ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ صفحہ ۱۷۴ الخصائص نسائی، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ صفحہ ۱۶-۱۵، مشکل الآثار الطحاوی ج ۲ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۳ھ صفحہ ۳۰۹، ذخائر العقبیٰ محب الدین طبری مطبوعہ بیروت ۱۹۷۴ء صفحہ ۶۳

پھر اس کے بعد کفارِ مکہ کے درمیان سورہ برائت کی آیات کی تبلیغ کا موقع آتا ہے۔ اس کام کے لئے پہلے ابوبکر کو حضورؐ نے بھیجا کہ جاؤ اور کفار میں ان آیات کی تبلیغ کرو۔ وہ اس مہم پر روانہ ہوئے۔ اس کے فوراً بعد پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ جاؤ ابوبکر سے وہ سورہ لے کر مکہ میں تم اس کی تبلیغ کرو۔ ابوبکر بیچ راستہ سے مدینہ واپس ہوئے اور آکر پیغمبرؐ سے پوچھا کہ کیا میرے خلاف کوئی آیت نازل ہوئی ہے یا خدا کا کوئی حکم آیا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے اور کہا: "اس پیغام کی کوئی تبلیغ نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ میں خود جاؤں یا وہ شخص جائے جو مجھ سے ہو۔" (۵۱)

رسولؐ کے مندرجہ بالا ارشادات سے جو درس ملتا ہے وہ مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ظاہر ہے۔

پیغمبر نے فرمایا

علیؑ مع الحق والحق مع علیؑ اللھم ادر الحق معہ حیث مادار (۵۲)

علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ، خدایا حق کو اُدھر موڑ دے جدھر علیؑ مڑیں۔"

خلافت حق حقیقت۔ بس علیؑ کے پیچھے پیچھے ہے اور کسی کے ساتھ نہیں

---

(۵۱) الدر المنثور سیوطی ج ۳ صفحہ ۲۰۹ [illegible] مطبوعہ [illegible] ۱۳۲۲ھ [illegible]

نسائی صفحہ ۲۰، مناقب خوارزمی مطبوعہ نجف ۱۳۸۵ھ صفحہ ۹۹، فرائد السمطین حموی ج ۱ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۸ھ صفحہ ۱۷۷، تاریخ الخطیب البغدادی ج ۱۴ صفحہ ۳۲۱

جا سکتی۔

اس کے بعد حدیث نور ہے۔ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں لکھتے ہیں کہ سلمان فارسی ناقل ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: انا و علیؑ من نور واحد "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے حضرت آدمؑ سے چار ہزار سال قبل پیدا کئے گئے، اور جب حضرت آدم کی تخلیق ہوئی تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھا گیا۔ ہم ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ صلب عبدالمطلب میں آکر ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو میرے اندر نبوّت ہے اور علیؑ کے اندر خلافت ہے"۔ ریاض الفضائل میں اس حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ: پھر خدا نے مجھے نبیؐ بنایا اور علیؑ کو وصی۔ (۵۳)

۱۳۔ اولوالامر کو معصوم ہونا ضروری ہے

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا۔ (۵۴)

"اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ اور ان صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے۔"

(۵۳) مفاتیح المطالب صفحہ ۳۹۶ کفایۃ المطالب الگنجی شافعی مطبوعہ نجف ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۲۶ (۵۴) نساء آیہ ۵۹

اس آیت میں مسلمانوں پر دو اطاعتیں واجب قرار دی گئی ہیں۔ پہلے اللہ کی اطاعت دوسرے اس کے رسولؐ اور ان لوگوں کی اطاعت جو اولوالامر منکم تم میں والیان امر ہوں، اس آیت میں لفظوں کی ترتیب و تنظیم سے یہ بالکل واضح ہوتا ہے کہ "اولی الامر" کی اطاعت بالکل اسی طرح واجب ہے جس طرح رسولؐ کی اطاعت واجب ہے اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ "اولی الامر" کو تمام صفات و صلاحیات میں رسولؐ کے مشابہ ہونا چاہیئے ورنہ اللہ اس آیت میں دونوں کی اطاعت کا حکم ایک ساتھ نہ دیتا۔

یہ فیصلہ کرنے سے قبل کہ "اولی الامر" کون ہیں، اطاعت رسولؐ کے احکام پر ایک نظر ڈال لینا مفید ہوگا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اطاعت رسولؐ کا حکم کس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے اور یہ کہ رسولؐ خدا کے اختیارات کتنے وسیع اور عظیم ہیں۔

خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (۵۵)

"اور ہم نے کوئی رسولؐ نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء و مرسلین کی اطاعت اور پیروی لازم ہے امت والوں کا یہ منصب نہیں کہ وہ نبی کے ہر ہر فعل کو نگاہ تنقید سے دیکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ کون سا عمل قابل اطاعت ہے اور کون سا نہیں اور اس سے صاف طریقے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء و مرسلین ہر قسم کے رجس، گناہ اور غلطی

(۵۵) سورہ نساء آیہ ۶۴

سے مُبرا تھے ورنہ خدا کبھی بھی امت کو انبیاء و مرسلین کی غیر مشروط اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

بہت سی قرآنی آیات میں اللہ نے ہمیں نبی کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (۵۶)

"اے ایمان والو! خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی فرماں برداری کرو۔"

پھر خداوند عالم فرماتا ہے: "و من یطع اللہ و رسولہ ... (۵۷)

"اور جو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے ..."

اور اسی سورہ میں فرماتا ہے: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (۵۸)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی"۔

ان آیتوں میں اور ان کے علاوہ بہت سی آیات میں خدا کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اگر پیغمبرؐ معصوم اور خطاؤں سے منزہ نہ ہوتے تو ایسی آیات کبھی نہ نازل ہوتیں اس لئے کہ خدا فرماتا ہے: ولا تطع منہم آثما او کفورا (۵۹) "اور ان لوگوں میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کی پیروی نہ کرنا"۔ اب پوری تصویر نگاہ

(۵۶) سورہ محمد آیہ ۳۳۔ مزید ملاحظہ ہو سورہ آل عمران آیہ ۳۲ و ۱۳۲، سورہ مائدہ آیہ ۹۲۔ سورہ انفال آیہ ۱۔۲۰۔۴۶، سورہ نور ۵۴، سورہ مجادلہ آیہ ۱۳، سورہ تغابن آیہ ۱۲۔

(۵۷) سورہ نساء آیہ ۱۳، ۶۹، نور آیہ ۵۲، سورہ احزاب ۷۱، سورہ فتح آیہ ۱۷

(۵۸) سورہ نساء آیہ ۸۰

(۵۹) سورہ ھل اتی آیہ ۲۴

کے سامنے ہے۔ انبیا کی اطاعت اور پیروی لازمی طور سے کرنی ہے۔ گنہگاروں کی اطاعت ہرگز نہیں کرنی ہے اور اس سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انبیاء ہرگز گنہگار اور خطاکار نہیں تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ معصوم، بے گناہ اور منزہ عن الخطا ہیں۔ ذرا تصور کیجئے اگر کوئی نبی اپنے ماننے والوں کو ارتکاب گناہ اور عصیان کا حکم دیتا تو کیسی ناممکن سی صورتِ حال پیدا ہو جاتی۔ بے چاری "امت" تو ہر حال میں ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کا شکار رہتی۔ اگر وہ پیغمبرؐ کی اطاعت کرتی اور اس کے حکم سے گناہ کا ارتکاب کرتی تو اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتی اور غضبِ خدا کی مستحق ہوتی اور اگر نبی کے حکم سے روگردانی کرتی جب بھی اللہ کے حکم (یعنی حکمِ اطاعتِ رسولؐ) کی خلاف ورزی ہوتی۔ یعنی ایک غیر معصوم نبی امت کو سوائے خدائی قہر و غضب کے اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا تھا۔

اب خاص طور سے پیغمبرؐ اسلام سے متعلق آیات کو دیکھیں۔ اللہ فرماتا ہے:

"وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا" (۶۰)

"اور رسولؐ تم کو جو کچھ دیدیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں، اس سے باز رہو"۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ پیغمبرؐ کا ہر امر اور ہر نہی ہمیشہ خدا کی مرضی کے مطابق اور اس کا پسندیدہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ معصوم تھے اس لئے کہ غیر معصوم کے احکام کے بارے میں اتنے تیقن سے یہ بات نہیں

(۶۰) سورہ حشر آیہ ۷

کہی جا سکتی۔

دوسری آیت کہتی ہے:

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم ..." (۶۱)

"اے رسول کہہ دو! کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا . . ."

یہاں اللہ کی محبت کو پیغمبر اسلام کی اطاعت پر منحصر قرار دیا گیا ہے یہ آیت محبت کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرتی ہے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو پیغمبرؐ کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم پیغمبرؐ کی اطاعت کرو گے تو خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیغمبرؐ کا دامن ہر قسم کے دھبّوں سے پاک تھا۔ نہ صرف پیغمبرؐ کے افعال بلکہ انکے الفاظ بھی حکم خدا تھے۔ خدا فرماتا ہے:

"وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (۶۲)

"وہ تو اپنی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو اس کی وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔"

یہاں پر ہمیں عصمتِ رسولؐ ناقابلِ تصور بلند ترین درجے پر جلوہ فگن نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں رسولِ اکرمؐ

(۶۱) سورہ آل عمران آیہ ۳۱ (۶۲) سورہ نجم آیہ ۳-۴

کے لیے یہ الفاظ خداوند عالم نے استعمال فرمائے ہیں:

"رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (۶۳)

انہیں میں کا ایک رسول (محمدؐ) جو اُن کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے، ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں۔"

کوئی نبی کس طرح دوسروں کو گناہوں اور آلودگیوں سے پاک کر سکتا ہے اگر وہ خود پاک نہ ہو؟ ایک انسان کسی کو کس طرح عقل کی باتیں بتا سکتا ہے، جب اس کو خود اتنی عقل نہ ہو کہ جس سے صحیح و غلط میں امتیاز کر سکے۔ اس سے بھی بڑھ کر اگر اس کی قوت ارادی ایسی ضعیف ہو کہ جاننے کے باوجود وہ اپنے کو بُرائی سے نہ بچا سکے۔؟!

رسولِ اسلام لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ احکامِ الٰہی کو جانتے تھے۔ آپ اُمّت والوں کو پاک کرتے تھے اور ان کو عقل کی باتیں بتاتے تھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ خود عقل اور طہارت پر فائز تھے۔

آپ کے کمالِ اخلاق کی گواہی قرآن نے ان الفاظ میں دی ہے:

"وَ انّک لعلی خلق عظیم" (۶۴)

"اور بیشک تمہارے اخلاق بہت ہی عظیم ہیں"۔ ایک شخص جس سے

(۶۳) سورہ جمعہ آیہ ۲۔ نیز سورہ بقرہ آیہ ۱۲۹ اور سورہ آل عمران ۱۶۴ ملاحظہ ہو۔

(۶۴) سورہ قلم آیہ ۴

گناہ سرزد ہونے کا امکان ہو وہ ایسی تمجید و توصیف کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا آیات سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

پہلے: پیغمبرؐ کو امت پر جو اختیار حاصل ہے وہ غیر محدود اور ہمہ گیر ہے ان کا دیا ہوا ہر حکم (چاہے وہ کسی حالت میں اور کسی وقت میں ہو) بغیر کسی چون و چرا کے واجب التعمیل ہے

دوسرے: اللہ نے آپ کو ایسا مکمل اختیار اس لئے دیا تھا کہ آپ معصوم تھے اور ہر قسم کی غلطی، خطا اور گناہ سے پاک و منزہ تھے ورنہ خدا وند عالم بغیر کسی قید و شرط کے آپ کے احکام کی اطاعت واجب نہ کرتا۔

اب زیر بحث آیت میں "اولی الامر" کو بعینہٖ وہی اختیار مسلمانوں پر عطا کیا گیا ہے جو "رسولؐ" کو دیا گیا تھا۔ "رسولؐ" اور "اولی الامر" دونوں کو ایک ہی لفظ "اطیعوا" (اطاعت کرو) کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ "اولی الامر" کی اطاعت کا وہی درجہ ہے جو رسولؐ کی اطاعت کا ہے۔

اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ "اولی الامر" کو بھی معصوم اور ہر قسم کی غلطی، خطا اور گناہ سے پاک و منزہ ہونا چاہیئے ورنہ "رسول" کی اطاعت کے ساتھ "اولی الامر" کی اطاعت ایک حکم میں اکٹھا نہ کی جاتی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اس کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے۔ بیشک اطاعت اللہ کی ہوتی ہے اور اس کے رسول کی اور ان کی جو اولی الامر ہیں اور بیشک اللہ نے لوگوں کو رسول کی اطاعت کا حکم اس لئے دیا کہ وہ معصوم اور طاہر تھے جو کبھی لوگوں کو عصیان الٰہی کی طرف نہیں بلاتے تھے اور بیشک اسی اللہ نے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا چونکہ وہ

معصوم ہیں اور طاہر ہیں اور لوگوں کو خدا کے عصیان کی طرف نہیں بلائیں گے۔(۶۵)

۱۴۔ کیا اولی الامر سے مراد مسلمان حکمران ہیں؟

برادران اہلسنت عام طور سے یہ کہتے ہیں کہ: "اولی الامر منکم" کے معنی یہ ہیں کہ: "جو تم میں سے حاکم ہو" یعنی "مسلمان حکمران" یہ تفسیر کسی منطقی استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار اول سے آخر تک تاریخ کے پیچ و خم پر ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت بادشاہوں اور حکام کی غلام بنی رہی ہے اور حکومت وقت کو خوش کرنے کے لئے اسلام اور قرآن کی من مانی تاویل و تشریح کرتی رہی ہے۔

دوسری اقوام و ملل کی طرح مسلمانوں کی تاریخ بھی ایسے حکمرانوں کے ذکر سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی عیاشی اور جبر و تشدد سے اسلام کے نام کو رسوا کیا۔ اس کتاب کے آخر میں مختصراً بعض حکمرانوں کا ذکر کیا جائے گا۔ ایسے حکام ماضی میں بھی تھے اور آج بھی ان کی تعداد کم نہیں اور مستقبل میں اور بھی پیدا ہوں گے اور ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہی سب "اولی الامر" ہیں جن کا اس آیت میں تذکرہ ہے!!!

ہم اس جملے کو یہاں پھر سے دوہرائے دیتے ہیں کہ اگر اللہ ہمیں یہ حکم دے کہ ایسے حکمرانوں اور بادشاہوں کی اطاعت کرو تو مسلمانوں کے لئے ایک ناممکن صورت پیدا ہو جائے گی کیونکہ بے چارے امتی خدا کے غضب کا شکار

(۶۵) علل الشرائع باب ۱۰۲

بنتے رہیں گے چاہے وہ کچھ بھی کریں۔ اگر وہ حکام کی اطاعت کریں تو اس حکمِ الٰہی کی مخالفت کریں گے کہ "گناہگاروں کی اطاعت مت کرو"؟ اور اگر وہ ان حکمرانوں کی نافرمانی کریں گے تب بھی اللہ کے اس حکم کی نافرمانی ہوگی کہ "مسلمان حکمرانوں کی اطاعت کرو!"

اس لئے اگر ہم سُنّیوں کی تفسیر کو قبول کرلیں تو مسلمان بہرحال خدا کے عذاب جاویداں کے مستحق ہوجائیں گے چاہے وہ حکمرانوں کی اطاعت کریں یا نافرمانی کریں۔

مزید یہ کہ دنیا میں مختلف عقائد و نظریات کے مسلمان حکمران پائے جاتے ہیں ان میں شافعی بھی ہیں اور وہابی بھی، حنفی بھی ہیں اور شیعہ اور اباضی بھی۔ اب اس تفسیر کے مطابق جو سُنّی ایک اباضی سلطان کی حکومت میں ہوں (مثلاً مسقط میں) انہیں اباضی عقیدے کی پیروی کرنی چاہیئے اور کسی شیعہ حاکم کے ملک میں ہوں (مثلاً ایران میں) تو انہیں شیعی نظریات اختیار کرنا چاہیئے۔ کیا یہ لوگ اپنی تفسیر کی سچائی کے اس حد تک قائل ہیں کہ اس کو اس کے منطقی نتیجے تک لے جائیں اور اس پر قائم رہیں؟!

مشہور سنّی مفسر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر(۶۶) میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ "اولی الامر" کو معصوم ہونا چاہیئے ان کی دلیل یہ ہے کہ "چونکہ خداوند عالم نے یہ حکم دیا ہے کہ "اولی الامر" کی غیر مشروط اطاعت کرو لہٰذا اولی الامر کو معصوم ہونا چاہئے کیونکہ اگر "اولی الامر" کے گناہ کرنے کا کوئی امکان ہو تو (جبکہ گناہ ممنوع اور حرام ہے)

---

(۶۶) تفسیر کبیر امام رازی مطبوعہ تہران جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۴

اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک مسلمان کو ایک ہی کام میں ان کی پیروی بھی کرنا پڑیگی اور مخالفت بھی اور یہ ناممکن ہے!

اس کے بعد اپنے قارئین کو اہلبیت رسولؐ سے دُور رکھنے کے لئے انہوں نے یہ نظریہ ایجاد کیا ہے کہ "اُمّتِ مسلمہ" بحیثیت مجموعی معصوم ہے۔

امام رازی کو بہت دُور کی سوجھی۔ کوئی مسلمان عالم اس نظریہ میں ان کا ہمنوا نہیں اور نہ یہ تفسیر کسی حدیث پر مبنی ہے۔ حیرت ہے کہ امام رازی امت کی ایک ایک فرد کو علیحدہ علیحدہ غیر معصوم سمجھتے ہیں اور اس کے باوجود اس کے مجموعے کو معصوم جانتے ہیں۔ یہ بات تو پرائمری اسکول کا ایک طالبعلم بھی جانتا ہے کہ دو سو گائیں اور دو سو گائیں مل کر چار سو گائیں ہوں گی ایک گھوڑا نہیں ہوگا۔ لیکن سُنّیوں کے امام یہ کہتے ہیں کہ سات کروڑ غیر معصوم کے ساتھ دوسرے سات کروڑ غیر معصوم مل جائیں تو ایک معصوم بن جاتا ہے۔ کیا وہ ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اگر دماغی اسپتال کے چار سو مریض ایک جگہ جمع ہوجائیں تو وہ سب مل کر ایک صحیح الدماغ انسان کے برابر ہوجائیں گے۔
شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؏

کہ از مغز دو صد خر فکر یک انسان نمی آید

یعنی دو سو گدھوں کے دماغ ایک انسان کی فکر پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ امام رازی کا علم تھا جس نے انہیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ "اولی الامر" کا معصوم ہونا لازمی ہے اور یہ ان کا تعصب تھا جس نے ان کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ وہ معصوم امت اسلامیہ بطور مجموعی ہے۔

مزید برآں انہوں نے آیت کے لفظ "مِنکم" (تم میں سے) پر توجہ نہیں دی۔ یہ لفظ بتاتا ہے کہ "اولی الامر" امت اسلامیہ کا ایک جزو ہوگا

پوری امت مسلمہ نہیں ہوگی اور ذرا یہ تو سوچئے کہ اگر پوری امتِ مسلمہ کی پیروی کی جائے گی تو پھر کون باقی رہ جائے گا جو پیروی کرے گا۔

۱۵- اولی الامر کے صحیح معنی

اب ہم اس آیہ کریمہ کے صحیح معنی بیان کرتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ بن ابیطالب، امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص نے جو اس مجلس میں تھا عرض کیا: "لوگ کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں خدا نے علیؑ اور ان کے اہلبیتؑ کا نام کیوں نہیں ذکر کیا؟

امام نے فرمایا: ان سے کہو کہ نماز کا حکم آیا لیکن خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تین رکعت یا چار رکعت بلکہ یہ رسول اللہؐ تھے جنہوں نے تمام تفصیلات کو بیان کیا اور زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ ہے، یہ رسول اللہؐ تھے جنہوں نے اس کی تشریح کی اور حج کا حکم دیا گیا۔ لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سات مرتبہ طواف کیا جائے یہاں تک کہ رسول اللہؐ نے اس کو بیان فرمایا۔ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی جس میں خدا نے فرمایا: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" "اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور ان صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔۔۔" اور یہ آیت حضرت علیؑ امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ (۶۷)

(۶۷) تفسیر عیاشی ج ۱ مطبوعہ تہران صفحہ ۲۴۹ - ۲۵۰ / تفسیر صافی ملا محسن فیض کاشانی ج ۱ مطبوعہ تہران ۔ ۱۳۷۴ھ صفحہ ۳۶۴

کفایۃ الاثر میں جابر بن عبداللہ الانصاری کی ایک روایت اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جابر نے پیغمبرؐ سے عرض کیا: ہم اللہ کو جانتے ہیں اور اس کے رسولؐ کو جانتے ہیں مگر وہ صاحبانِ امر کون ہیں جن کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اور آپ کی اطاعت کے ساتھ ملا دیا ہے؟ پیغمبرؐ نے فرمایا: وہ میرے بعد میرے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام ہیں، ان میں سے پہلے علیؑ ہیں، پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی ہیں جن کا نام توریت میں باقر ہے۔ اے جابر تم ان سے ملاقات کرو گے جب ان سے تمہاری ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام پہنچا دینا ان کے جانشین ان کے فرزند جعفر صادق ہونگے پھر موسیٰ بن جعفر، پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی ہونگے حسن بن علی کے جانشین ان کے فرزند ہوں گے جن کا نام میرا نام کنیت میری کنیت ہوگی اور وہ روئے زمین پر حجت خدا اور لوگوں کے درمیان بقیۃ اللہ ہوں گے (یعنی خدا انہیں دین کے تحفظ کے لئے محفوظ رکھے گا) وہ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کو فتح کریں گے۔ وہ اپنی پیروی کرنے والوں اور دوستوں کی نظر سے اتنے طویل عرصہ تک پوشیدہ رہیں گے کہ ان کی امامت کا عقیدہ صرف انہیں دلوں میں باقی رہ جائے گا کہ جن کا اللہ نے ایمان کے سلسلے میں امتحان لے لیا ہوگا۔

جابر نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ان کے اوپر ایمان رکھنے والے ان کی غیبت میں ان سے فیضیاب ہوں گے؟

پیغمبرؐ نے فرمایا: ہاں! اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبوت عطا کی لوگ ان کی غیبت میں ان کی روشنی سے ہدایت پائیں گے اور ان کی ولایت و محبت سے فیضیاب ہوں گے بالکل اسی طرح جس طرح لوگ جب آفتاب چھپ جا

ہے تب بھی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

اے جابر! یہ بات خدا کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اللہ کے علم مخزون میں سے ہے اس لئے اس کو سوائے اس کے اہل کے اور کسی سے مت بیان کرو (۶۸)

یہ حدیث شیعوں کی کتاب میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے سُنّیوں کی احادیث میں اتنی تفصیلات نہیں پھر بھی سنّیوں کی بہت سی روایتیں ایسی ہیں کہ جن میں اماموں کا ذکر مجمل ملتا ہے ان میں سے بعض کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

ظاہر ہے کہ اس کے بعد ظالم و جابر حکمرانوں کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اِس آیت میں مسلمانوں کو ہرگز یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کی اطاعت کریں جو ممکن ہے ظالم و جابر اور جاہل، خود غرض، حرص و ہوس کے غلام ہوں۔ حقیقت میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ معین و معلوم بارہ اماموں کی اطاعت کریں جو سب کے سب معصوم تھے اور جن کے خیالات و افعال برائیوں سے پاک و منزہ تھے ان کی اطاعت سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ ان کی اطاعت ہر قسم کے خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ وہ مرضئ خدا کے خلاف کوئی حکم دے ہی نہیں سکتے اور تمام بنی نوع انسان سے انصاف و محبت اور برابری کا سلوک کرنے والے ہیں۔

۱۶۔ بارہ خلیفہ یا امام: اب حافظ سلیمان بن ابراہیم قندوزی

(۶۸) کفایۃ الاثر لابی القاسم علی الخزاز الرازی مطبوعہ قم ۱۹۸۱ء صفحہ ۵۳

حنفی شیخ الاسلام قسطنطنیہ (متوفی ۱۲۹۴ھ) کی مشہور کتاب ینابیع المودۃ کا ۷۷واں باب ملاحظہ ہو:

موصوف نے اولاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور صحیح ترمذی سمیت بہت سی دوسری کتابوں سے رسول خدا صلعم کی مشہور حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔"

اس کے بعد بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "میں اور علی اور حسن اور حسین اور حسین کی ذریت میں سے نو (حضرات) پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں"۔ نیز یہ حدیث درج کی ہے کہ جس میں رسول اکرم صلعم نے امام حسینؑ سے فرمایا: "تم سردار ہو، سردار کے بیٹے ہو اور سردار کے بھائی ہو، تم امام ہو، امام کے فرزند ہو، امام کے بھائی ہو، تم حجت ہو، حجت کے فرزند ہو اور حجت کے بھائی ہو اور نو حجتوں کے باپ ہو کہ نواں ان میں سے مہدی قائم ہے۔"

ایسی بہت سی حدیثوں کو درج کرنے کے بعد حافظ قندوزی تحریر فرماتے ہیں:

"محققین یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث (کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے بارہ خلیفہ ہوں گے) مشہور ہیں اور بہت سے اسناد سے مروی ہیں۔ اب مرور زمانہ کے ساتھ اور واقعات تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے ہم کو معلوم ہو گیا کہ ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ اماموں کو مراد لیا ہے جو آپ کے اہلبیت میں آپ کی ذریت سے ہوئے ہیں۔" اس حدیث کو ان چار خلفاء راشدین پر محمول نہیں کیا جا سکتا جو

آپ کے بعد آپ کے اصحاب میں سے ہوئے تھے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے کم ہے۔

" اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اس حدیث کو اموی بادشاہوں پر منطبق کیا جائے کیونکہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور (ایک عمر بن عبدالعزیز کے سوا) وہ سب کے سب ظالم و جابر تھے، اس کے علاوہ وہ بنی ہاشم میں سے نہیں تھے جبکہ آنحضرت صلعم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے۔

" نیز اس حدیث سے بنی عباس کے بادشاہوں کو مُراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اولاً تو ان کی تعداد بارہ سے بہت زیادہ تھی، دوسرے انہوں نے آیت مودۃ فی القربیٰ اور حدیث کساء کے مقتضیات کی کھلی خلاف ورزی کی۔ (علامہ قندوزی کا مقصد یہ ہے کہ بنی عباس نے بھی بنی امیہ کی طرح آل رسول پر مظالم کیے۔)

" اب اس حدیث کی تفسیر و تشریح کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حدیث ان بارہ اماموں کی طرف اشارہ کررہی ہے جو رسول صلعم کے اہل بیت میں اور آپ کی ذریت میں تھے کیونکہ یہ حضرات اپنے اپنے زمانے میں تمام افراد سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ بافضیلت، سب سے زیادہ خداترس اور متقی اور نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ تھے اور ذاتی فضیلتوں میں سب سے بڑھ کر اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت تھے۔ نیز ان حضرات کے علوم ان کے مورث اعلیٰ (یعنی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سرچشمہ سے (اپنے آباء طاہرین کے واسطے سے) بذریعۂ وراثت حاصل ہوئے ہیں۔ نیز براہ راست خدائی تعلیم پر (یعنی بذریعۂ الہام) مبنی ہیں۔

" اس بات کو اہل علم و تحقیق اور اہل کشف و توفیق جانتے ہیں اور اس مطلب کی تائید کرتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ اماموں کو مراد لیا ہے جو آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اس بات پر گواہ حدیث ثقلین اور وہ دیگر احادیث ہیں جو اس کتاب اور دیگر کتب میں بار بار مذکور ہوچکی ہیں۔ (۶۹)

۱۷۔ بارہ اماموں کے متعلق کچھ تفصیلات

پہلے امام: امیرالمومنین ابوالحسن، علی المرتضیٰ بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

ولادت: ۱۳ر رجب دس سال قبل بعثت نبوی مطابق ۶۰۰ء کو خانہ کعبہ کے اندر ہوئی اور آپ بتاریخ ۲۸ر صفر ۱۱ھ (مطابق ۶۳۲ء) کو پیغمبرؐ کی وفات پر امام ہوئے اور مسجد کوفہ میں نماز کی حالت میں ابن ملجم کی زہر آلود تلوار کی ضربت سے زخمی ہوئے اور اس کے دو دن بعد ۲۱ر رمضان ۴۰ھ (۶۶۱ء) کو دنیا سے رحلت فرمائی، نجف اشرف (عراق) میں دفن ہوئے۔

دوسرے امام: ابومحمد الحسن المجتبیٰ بن علی علیہم السلام ہیں۔

ولادت: ۱۵ر رمضان ۳ھ (۶۲۵ء) مدینہ

شہادت: ۷ر یا ۲۸ر صفر ۵۰ھ (۶۷۰ء) کو زہر سے مدینہ میں ہوئی۔

تیسرے امام: سیدالشہداء ابوعبداللہ الحسین بن علی علیہم السلام۔

ولادت: ۳ر شعبان ۴ھ (۶۲۶ء) کو مدینہ میں ہوئی۔

(۶۹) ینابیع المودۃ سید سلیمان قندوزی۔ باب ۷۷ ص ۴۴۶ - ۴۴۷

شہادت: آپ اپنی اولاد اور اعزا و اقارب اور اصحاب کے ساتھ ۱۰ رمحرم ۶۱ھ (۱۰/۱۰/۶۸۰ء) کو کربلا (عراق) میں شہید ہوئے۔ آپ اور آپ کے بڑے بھائی حسن مجتبیٰ علیہم السلام حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند تھے۔

چوتھے امام: ابو محمد علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام

ولادت: ۵ رشعبان ۳۶ھ (۶۵۹ء)

شہادت: بوسیلہ زہر ۲۵ رمحرم ۹۴ یا ۹۵ھ (۷۱۲ یا ۷۱۳ء) مدینہ

پانچویں امام: ابو جعفر محمد الباقر بن علی زین العابدین علیہ السلام۔

ولادت: یکم رجب ۵۷ھ (۶۷۷ء) مدینہ

شہادت: بوسیلہ زہر ۷ رذی الحجہ ۱۱۴ھ (۷۳۳ء) مدینہ

چھٹے امام: ابو عبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر علیہ السلام۔

ولادت: ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ (۷۰۲ء) مدینہ

شہادت: بوسیلہ زہر ۲۵ رشوال ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) مدینہ

ساتویں امام: ابوالحسن الاول موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق علیہ السلام۔

ولادت: مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر واقع بمقام الابوا ۷ رصفر ۱۲۹ھ (۷۴۶ء)

شہادت: ۲۵ ررجب ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) کو ہارون رشید عباسی کے زہر سے قید خانہ بغداد میں ہوئی اور بغداد سے قریب کاظمین میں دفن ہوئے۔

آٹھویں امام: ابوالحسن الثانی علی الرضا بن موسیٰ الکاظم علیہ السلام

ولادت: مدینہ ۱۱ رذی القعدہ ۱۴۸ھ (۷۶۵ء)

شہادت: بوسیلہ زہر ۱۷ رصفر ۲۰۳ھ (۸۱۸ء) مشہد۔ خراسان۔ ایران

نویں امام: ابو جعفر الثانی محمد التقی الجواد بن علی الرضا علیہ السلام

ولادت: ۱۰ ررجب ۱۹۵ھ (۸۱۱ء) مدینہ

شہادت: بذریعہ زہر ۳۰ رذی القعدہ ۲۲۰ھ (۸۳۵ء)

مدفن: آپ اپنے جد امجد کے پہلو میں کاظمین میں دفن ہوئے۔

دسویں امام: ابوالحسن الثالث علی النقی الہادی بن محمد التقی علیہ السلام۔

ولادت: ۵ ررجب ۲۱۲ھ (۸۲۷ء) مدینہ

شہادت: بذریعہ زہر ۳ ررجب ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) سامرا۔ عراق

گیارہویں امام: ابو محمد الحسن العسکری بن علی النقی علیہ السلام۔

ولادت: ۸ رربیع الثانی ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) مدینہ

شہادت: بذریعہ زہر ۸ رربیع الاول ۲۶۰ھ (۸۷۴ء) سامرا۔ عراق۔

بارہویں امام: ابو القاسم محمد المہدی بن الحسن العسکری عجل اللہ فرجہ

آپ ۱۵ رشعبان ۲۵۵ھ (۸۶۹ء) کو سامرا (عراق) میں پیدا ہوئے۔ آپ ہمارے موجودہ امام ہیں۔ آپ نے ۲۶۰ھ میں غیبت صغریٰ اختیار کی جو ۳۲۹ھ تک جاری رہی اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوئی جسکا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ آپ اس وقت ظہور فرمائیں گے جب خدا کا حکم ہوگا کہ آپ ظاہر ہوکر تمام روئے زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کریں اور اس دنیا کو عدل و انصاف سے اسطرح بھر دینگے جسطرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی آپکے القاب ہیں القائم۔ یعنی وہ ہستی جو زمین پر حکومت الٰہیہ قائم کرنے کے لئے قیام فرمائیں گے۔

حجت: یعنی مخلوقات پر خدا کی دلیل

صاحب الزماں: موجودہ زمانے کے حاکم

صاحب الامر: خدا کی طرف سے اختیارات کے حامل۔

تیسرا حصّہ
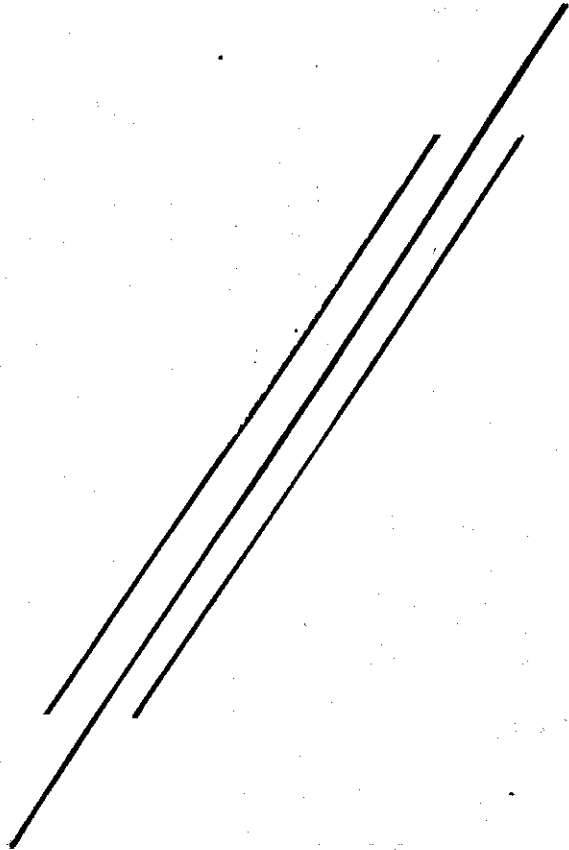
اہلسنّت کا نقطۂ نظر

۱۸۔ سنّی نظریۂ خلافت

کلامی نقطۂ نظر سے آجکل زیادہ تر سنی حضرات اشعری عقیدے کے پیرو ہیں۔ اشاعرہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ امامت اور خلافت کا قایم کرنا واجب ہے لیکن یہ امت کا فرض ہے کہ وہ ایک خلیفہ مقرر کرے۔ مگر دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ معتزلی یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کا تعیّن عقلاً واجب ہے اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث کی رو سے واجب ہے۔

نسفی اپنے عقائد میں لکھتے ہیں کہ: مسلمانوں کے امور بغیر ایک امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ ایسا امام جو احکام اسلامی و حدود و تعزیرات کو نافذ کرے، سرحد کی حفاظت کرے؛ فوج کو مرتب کرے، صدقات و خیرات اور زکوٰۃ وصول کرے رہزنوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرے، نماز جمعہ اور عیدین کو قائم کرے، لوگوں کے درمیان جھگڑوں اور تنازعات میں گواہیاں سنے اور فیصلہ کرے اور ایسے نابالغ بچوں کی ولایت کرے جن کا کوئی والی نہ ہو اور مال غنیمت تقسیم کرے۔ (۱)

"اہلسنّت حضرات دنیوی حکمراں چاہتے ہیں... جبکہ شیعہ ایک ایسی ذات چاہتے ہیں جو روئے زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرے اور دنیا سے تمام بُرائیوں کو ختم کر دے۔" (۲)

---

(۱) شرح عقائد نسفی از تفتازانی مطبوعہ استنبول ۱۳۲۶ھ صفحہ ۱۸۵۔

(2) Miller, W.M. Tr. of al-Babul-hadi 'ashar, Luzac, London, 1958, Notes, P.98

اہلسنت کے عقیدے کے مطابق خلیفہ کا تعین مندرجہ ذیل چار طریقوں میں سے کسی ایک ذریعے سے ہوسکتا ہے۔

الف۔ اجماع ۔ یعنی : اہل حل وعقد (وہ لوگ جو اس پوزیشن میں ہوں کہ لوگ ان کا فیصلہ مان لیں) کا بحیثیت مجموعی توافق۔ امت کے تمام افراد کی موافقت ضروری نہیں اور نہ ہی تمام ارباب حل وعقد کا توافق حاصل کرنا لازم ہے۔

ب۔ استخلاف : یعنی سابق خلیفہ اپنے جانشین کو نامزد کرے۔

ج۔ شوریٰ : یعنی ایک کمیٹی ہو جو خلیفہ کا تقرر کرے۔

د۔ قہروغلبہ : یعنی کوئی شخص بھی فوجی طاقت سے خلافت پر قبضہ کرے تو وہ خلیفہ ہو جائے گا۔

شرح المقاصد میں ہے کہ: "اگر ایک امام کا انتقال ہو جائے اور دوسرا شخص جو خلافت کی اہلیت رکھتا ہو وہ خلافت کا دعویٰ کرے (اگرچہ اسکی بیعت نہ کی گئی ہو اور نہ ہی خلیفۂ سابق نے اس کی نامزدگی کی ہو) تو اس کا دعوائے خلافت مان لیا جائے گا بشرطیکہ وہ اپنی طاقت سے لوگوں کو مغلوب کرے اور بہ ظاہر یہ حکم اُس وقت بھی جاری ہوگا جب کہ نیا خلیفہ جاہل یا بدکردار ہو۔ اسی طرح جب کوئی خلیفہ اپنی خلافت اپنی قوتِ قاہرہ کے ذریعے قائم کرے اور دوسرا شخص اسے مغلوب کرے تو یہ مغلوب خلیفہ معزول ہو جائے گا اور غالب کو امام اور خلیفہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے گا۔ (۳)

۱۹۔ شرائطِ خلافت

اہلسنت کے عقیدے کے مطابق خلیفہ میں دس شرائط پائی جانی چاہئیں۔

(۳) شرح مقاصد الطالبین سعد بن مسعود بن عمر تفتازانی ج ۲ مطبوعہ استنبول ۱۳۰۵ھ صفحہ ۲۷۲۔

۱۔ بالغ ہو ۲۔ عاقل ہو ۳۔ آزاد ہو، غلام نہ ہو ۴۔ مرد ہو، عورت نہ ہو۔ ۵۔ جہاد کر سکتا ہو اور فنونِ حرب و ضرب سے واقف ہو ۶۔ شجاع ہو ۷۔ عوام کی رسائی اُس تک ہو سکے یعنی وہ پوشیدہ نہ ہو ۸۔ مسلمان ہو ۹۔ عادل ہو ۱۰۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، مسائل شرعیہ میں اپنا فتویٰ دے سکے یعنی مجتہد ہو۔ (۴)

مگر آخری دونوں شرطیں صرف کاغذی ہیں، اس لئے کہ اس سے پہلے کی فصل میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ "ایک جاہل و بدکردار آدمی خلیفہ ہو سکتا ہے"۔ لہٰذا ایک خلیفہ کے لئے "عدل وانصاف" اور "اجتہاد" کی شرائط دعویٰ ہی دعویٰ ہیں۔

اُن کا عقیدہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عصمت کی شرط نہیں۔ اس عقیدے کی تائید میں خود حضرت ابو بکر کا قول نقل کیا جاتا ہے جو انہوں نے اصحابِ رسولؐ کے مجمع میں منبر سے بیان کیا تھا:

"لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں اگرچہ میں تم سے بہتر نہیں لہٰذا اگر میں اپنے فرائض ٹھیک سے انجام دوں تو میری مدد کرو اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دینا، حقیقت میں میرے لئے ایک شیطان ہے جو کبھی کبھی مجھ پر مسلّط ہو جاتا ہے۔ تو اگر میں غصّے میں رہوں تو مجھ سے دُور رہنا۔" (۵)

علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں کہ: ایک خلیفہ کو اس کی بدکرداری یا ظلم وجور کی بنا پر معزول نہیں کیا جا سکتا۔" (۶)

(۴) تفتازانی شرح عقائد نسفی (۵) تاریخ الخلفا سیوطی ص۷۱
(۶) تفتازانی ۔ شرح عقائد نسفی۔

۲۰۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کیسے قائم ہوئی

مندرجۂ بالا اصول کسی آیت یا حدیث سے نہیں اخذ کئے گئے بلکہ یہ نظریات ان واقعات اور حوادث پر مبنی ہیں جو رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔

اہلسنّت کے عقائد کے مطابق پہلے چار خلفاء خلفائے راشدین کہے جاتے ہیں ــــ یعنی ۔ جنہیں صحیح رشد و ہدایت حاصل تھی۔ اب ذرا اس پر بھی غور کرتے چلیں کہ پہلی خلافتِ راشدہ کس طرح قائم ہوئی۔

جب رسولؐ اللہ نے وفات پائی تو جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی، مدینہ کے کچھ مسلمان ۔ جنہیں انصار کہا جاتا ہے ۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے صاحب غیاث اللغات رقمطراز ہیں کہ: "یہ ایک خفیہ مقام تھا جہاں عرب ناپسندیدہ کارروائیوں کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ (۷)۔ وہاں پر سعد بن عبادہ کو ۔ جو بیمار تھے ۔ ایک کرسی پر بٹھا کر اور کمبل اوڑھا کر لایا گیا تاکہ ان کو خلیفہ منتخب کیا جاسکے۔ سعد نے اس مجمع میں ایک تقریر کی جس میں انہوں نے انصار کی خوبیاں اور فضائل گنوائے اور مجمع سے کہا تم اس خلافت پر قبضہ کرو قبل اس کے کہ کوئی دوسرا اسے لے لے۔ انصار نے اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ وہ خود سعد کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اس کے بعد ہی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور ایک دوسرے سے یہ کہنے لگا کہ: اگر قریش نے مخالفت کی اور وہ خود خلافت کے دعوے دار ہوئے تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟!

(۷) غیاث اللغات غیاث الدین مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۷ء صفحہ ۲۲۸۔

ایک گروہ نے کہا: ہم ان سے یہ کہیں گے کہ "منا امیر و منکم امیر!" ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے"۔ سعد نے کہا: یہ پہلی کمزوری ہے جو تم نے دکھائی ہے۔

کسی نے حضرت عمر کو اس اجتماع کی خبر دی اور کہا کہ: اگر حقیقت میں تم حکومت کی عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو سقیفہ پہنچ جاؤ قبل اس کے کہ معاملہ آگے بڑھ جائے، ورنہ تمہارے لئے مشکل ہو جائے گا کہ جو کچھ وہاں کیا جارہا ہے اُس کو تم مٹا سکو۔ یہ سُنتے ہی عمر نے ابوبکر کو ساتھ لیا اور تیزی سے سقیفہ کی جانب روانہ ہوئے اور ساتھ میں ابو عبیدہ کو لے لیا۔

طبری، ابن اثیر، ابن قتیبہ[(۸)] اور دیگر مورخین لکھتے ہیں کہ: ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ سقیفہ میں پہنچ کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ثابت بن قیس نے کھڑے ہو کر انصار کے فضائل بیان کرنا شروع کئے اور یہ تجویز پیش کی کہ خلافت انصار میں سے کسی کو ملنا چاہیئے۔ روایت کے مطابق عمر بعد میں کہا کرتے تھے کہ: انصار کے مقرر نے جب اپنی تقریر ختم کی تو میں بھی کچھ بولنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے اُس وقت بہت عمدہ نکات سوچ لئے تھے مگر ابوبکر نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میں چُپ رہا۔ ابوبکر فصاحت اور علم میں مجھ سے بہتر تھے۔ انہوں نے ارتجالاً انہیں نکات کو بیان کیا جو میرے ذہن میں تھے اور ان کو مجھ سے بہتر طریقے سے بیان کیا"۔

روضۃ الصفا کے مطابق ابوبکر نے سقیفہ کے مجمع کو اس طرح مخاطب

(۸) تاریخ طبری ج ۴ صفحہ ۱۸۲۰ تاریخ کامل ابن اثیر مطبوعہ ٹورنبرگ (برل) ج ۲، صفحہ ۳۲۵ الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۸

کیا: "اے گروہ انصار! ہم تمہارے اوصاف اور خوبیوں کے معترف ہیں۔ ہم ابھی تک تمہاری ان کوششوں اور مجاہدات کو بالکل نہیں بھولے جو اسلام کی نشر و اشاعت میں تم نے انجام دئے ہیں مگر عربوں میں قریش کو جو عزت و احترام حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے اور عرب قریش کے علاوہ کسی اور کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے نہیں ہیں۔" (۹)

سیرت حلبیہ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ: "بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ہم مہاجرین نے اسلام لانے میں سبقت کی تھی۔ پیغمبرؐ اسلام ہمارے قبیلے سے تھے، ہم رسولؐ خدا کے قرابت دار ہیں... لہذا ہم ہی وہ ہیں کہ جو خلافت کے حقدار ہیں.... لہذا مناسب یہی ہے کہ خلافت ہمارے درمیان رہے اور تم لوگ (یعنی انصار) وزارت لے لو اور ہم کوئی کام بغیر تمہارے مشورہ کے نہیں کریں گے۔" (۱۰)

دونوں گروہوں میں بڑی گرما گرم بحثیں شروع ہو گئیں، اسی اثنار میں عمر چیخ پڑے: "خدا کی قسم اب جو ہماری مخالفت کرے گا میں اُسے قتل کردوں گا۔" حباب ابن منذر بن زید انصاری خزرجی نے انہیں للکارا: "خدا کی قسم ہم کسی کو برداشت نہیں کریں گے کہ وہ بحیثیت خلیفہ ہمارے اوپر حکومت کرے۔" "ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے"۔ ابوبکر نے کہا: "نہیں یہ نہیں ہو سکتا، یہ ہمارا حق ہے کہ ہم خلیفہ ہوں اور تمہارا حق ہے کہ تم وزیر بنو۔" حباب نے کہا: "اے انصار! تم ان لوگوں کے کہنے میں بالکل مت آنا، ثابت قدم

(۹) روضۃ الصفا محمد بن خاوند شاہ ج ۲ نول کشور پریس لکھنؤ صفحہ ۲۴۱

(۱۰) السیرۃ الحلبیہ الحلبی الشافعی ج ۳ مطبوعہ بیروت صفحہ ۳۵۷

رہنا... خدا کی قسم اگر اس وقت کسی نے میری مخالفت کی جرأت کی تو میں اپنی اِس تلوار سے اُس کی ناک کاٹ لوں گا۔" اس پر عمر نے کہا کہ: خدا کی قسم خلافت میں دو عملی نہیں چل سکتی، ایک مملکت میں دو بادشاہ نہیں ہو سکتے اور عرب تمہاری خلافت کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ رسولؐ تمہارے قبیلے میں سے نہیں تھے۔"

[illegible]

عمر مجمع کو چیرتے ہوئے سعد بن عبادہ کے سر پر جا کر کھڑے ہو گئے اور ان سے کہا: "ہم تمہیں کچل دیں گے یہاں تک کہ تمہارا ہر عضو بدن چُور چُور ہو جائے گا۔" اس دھمکی سے غضبناک ہو کر سعد کھڑے ہو گئے اور عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ اس پر عمر نے کہا: دیکھو اگر میری داڑھی کا ایک بال بھی ٹوٹا تو تم دیکھو گے کہ پھر تمہاری خیر نہیں ہو گی۔" اس وقت ابوبکر نے عمر کو نرمی اور سکون کی تلقین کی۔ عمر نے سعد کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اُس وقت سعد یہ کہہ رہے تھے: "خدا کی قسم اگر اس وقت مجھ میں کھڑے ہونے کی طاقت ہوتی تب تم دیکھتے کہ مدینہ کی ہر گلی کوچے سے شیروں کے دہاڑنے کی آوازیں آتیں۔ اور تم سوراخوں میں دبک جاتے 'خدا کی قسم' ہم تمہیں دوبارہ انہیں لوگوں میں پہنچا دیتے جن کے درمیان تم رعایا تھے، کبھی حاکم نہیں رہے۔"

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ جب قبیلہ "اوس" کے سردار بشیر بن سعد نے یہ دیکھا کہ تمام "انصار" قبیلہ خزرج "کے سردار سعد بن عبادہ کی حمایت کر رہے ہیں تو انہوں نے حسد میں آکر مہاجرین قریش کی حمایت شروع کر دی۔

اسی چیخ پکار میں عمر نے ابوبکر سے کہا: ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں"۔ ابوبکر نے کہا: "نہیں، تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کروں، کیونکہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور اور خلافت کے لئے زیادہ موزوں ہو۔" مگر عمر نے بڑھ کر ابوبکر کا ہاتھ کھینچا اور یہ کہتے ہوئے ان کی بیعت کرلی کہ آپ کی صلاحیت اور بزرگی کے سامنے میری طاقت کی کوئی حیثیت نہیں اور اگر اس کی کوئی اہمیت ہے تو میری طاقت آپ کی صلاحیت سے مل کر خلافت کا کاروبار اچھی طرح چلائے گی۔ بشیر بن سعد نے بھی ان کی پیروی کی۔ اس پر خزرج والوں نے چیخ کر کہا کہ تم سعد بن عبادہ کے حسد میں یہ حرکت کر رہے ہو۔ پھر قبیلہ اوس کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اگر سعد بن عبادہ خلیفہ ہو گئے تو پھر ہمیشہ کے لئے قبیلۂ خزرج کے لوگ قبیلۂ اوس سے خود کو افضل سمجھیں گے اور پھر اوس کے لوگوں کو کبھی یہ عہدہ نہیں ملے گا۔ اس لئے قبیلہ اوس کے تمام حاضرین نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی۔ اسی اثناء میں قبیلہ خزرج کے کسی شخص نے تلوار کھینچ لی لیکن لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔

جب سقیفہ میں یہ ہنگامے ہو رہے تھے اُس وقت حضرت علیؑ اور آپ کے دوست رسولِ خداؐ کے غسل و کفن میں مصروف تھے۔ جب حضرت علیؑ کو رسولِ خداؐ کی تجہیز و تکفین سے فرصت ملی تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کی خلافت کے تمام مراحل طے ہو چکے ہیں۔

ابن قتیبہ کے الفاظ میں "جب ابوبکر خلیفہ ہو گئے تو لوگ حضرت علیؑ کو کشاں کشاں ابوبکر کے پاس لے گئے حالانکہ حضرت علیؑ یہ کہتے رہے کہ "میں خدا کا بندہ ہوں اور رسولِ خداؐ کا بھائی ہوں"۔ حضرت علیؑ سے

یہ کہا گیا کہ وہ ابوبکر کی بیعت کریں! حضرت علیؑ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک سے زیادہ میں خلافت کا حقدار ہوں، میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ حقاً اور انصافاً تمہیں ہماری بیعت کرنی چاہئے۔ تم نے انصار سے کہا کہ وہ اس لئے تمہاری بیعت کریں کہ رسولؐ سے تمہارا خون کا رشتہ ہے، اس کے باوجود تم رسولؐ کے گھر والوں سے خلافت چھین رہے ہو۔ کیا تم نے انصار کے سامنے یہ دلیل نہیں پیش کی کہ تم انصار سے زیادہ خلافت کے حقدار ہو کیونکہ تم رسولؐ کے ہم قبیلہ ہو۔ انصار نے بھی حکومت تمہارے حوالے کر دی اور تمہاری خلافت کو تسلیم کر لیا، لہٰذا میں بھی تمہارے سامنے وہی استدلال پیش کر رہا ہوں جو تم نے انصار کے سامنے کیا تھا ہمارا رشتہ رسولؐ کے ساتھ موت اور حیات دونوں حالت میں جتنا قریب ہے تم میں سے کسی کا نہیں۔ اگر تم اپنے استدلال میں مخلص تھے تو انصاف کرو ورنہ یہ سمجھ لو کہ تم جان بوجھ کر ظلم و عدوان کی طرف بڑھ رہے ہو۔" عمر نے کہا: "جب تک تم بیعت نہیں کرو گے ہم تمہیں نہ چھوڑیں گے۔ حضرت علیؑ نے کہا: تھن تمہارے ہاتھ میں ہے جتنا چاہے دودھ نکال لو اور جتنا ممکن ہو آج اس حکومت کو مستحکم اور مضبوط کر لو کیونکہ کل یہ اس کو تمہارے سپرد کریں گے۔ اے عمر! میں تمہاری بات بالکل نہیں سنوں گا اور نہ ہی ان کی بیعت کروں گا۔" آخرکار ابوبکر بولے: "علیؑ! اگر تم میری بیعت نہیں کرنا چاہتے تو میں تمہیں مجبور بھی نہیں کرتا۔"

۱۲۔ مندرجہ بالا واقعات کا ایک مختصر جائزہ:

مندرجہ بالا واقعات کے چند پہلو خاص توجہ کے مستحق ہیں:

۱۔ عربوں کا دستور تھا کہ اگر ایک چھوٹا سا گروہ بھی کسی کو قبیلے کا سردار چن لے تو دوسرے لوگ اس کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور خواہی نخواہی اس کو مان لیتے تھے اور یہی رواج پیغمبرؐ کے چچا عباس کے ذہن میں تھا جب انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا : اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کرلوں ... کیونکہ اگر ایک مرتبہ کسی نے اس چیز کو لے لیا تو پھر کوئی اس سے یہ نہیں کہتا کہ اسے چھوڑ دو"۔ اور یہی وہ رواج تھا جس کی وجہ سے سعد نے انصار سے کہا : "اس خلافت کو لے لو قبل اس کے کہ کوئی دوسرا اسے لے لے"۔ اور اسی رواج کی وجہ سے عمر سے یہ کہا گیا کہ سقیفہ پہنچو قبل اس کے کہ معاملہ آگے بڑھ جائے اور پھر وہاں جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کو مٹانا مشکل ہو جائے اور اسی رسم و رواج کا نتیجہ تھا کہ جب ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ مان لیا تو مدینہ کے مسلمانوں کی اکثریت نے اسے تسلیم کرلیا۔

۲۔ حضرت علیؑ عربوں کے اس رواج سے بخوبی واقف تھے، پھر کیوں انہوں نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا کہ عباس بیعت کریں۔ بلکہ یہ جواب دیا کہ دوسرا کون ہے جو لوگوں سے بیعت طلب کرسکے ؟ (۱۱) اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ یہ رسولؐ کی خلافت ہے، قبیلے کی سرداری نہیں ہے۔ امامت لوگوں کی بیعت کی محتاج نہیں۔ یہ ایسی ذمہ داری ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے بندوں کی طرف سے

---

(۱۱) الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ج ۱ صفحہ ۴ ۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۷ سنہ ۱۹۶۶ء

نہیں اور چونکہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو مجمع عام میں امام مقرر کر دیا تھا اس لئے آپ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ آپ لوگوں کے پاس دوڑ کر جائیں، اور ان سے بیعت کا مطالبہ کریں۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ یہ سمجھیں کہ آپ کی امامت کی اساس لوگوں کی بیعت پر مبنی ہے۔ اگر لوگ خود آ کر اعلان غدیر خم کی بنیاد پر آپ کی بیعت کریں تو سبحان اللہ۔ اگر وہ نہ آئیں تو یہ ان کا نقصان ہوگا، حضرت علیؑ کا نہیں۔

۳۔ اب واقعاتِ سقیفہ پر ایک نظر ڈال لیں :

حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں مسجد نبوی اسلامی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اسی مسجد میں جنگ و صلح کے فیصلے ہوتے، وفود کا استقبال ہوتا، خطبے دیئے جاتے، تقریریں ہوتیں، مقدمات کے فیصلے ہوتے اور جب یہ خبر پھیلی کہ رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی تو تمام مسلمان اسی مسجد میں جمع ہوئے تھے۔ تو کیا وجہ تھی کہ سعد بن عبادہ کے حامیوں نے یہ طے کیا کہ مدینہ سے تین میل باہر جا کر وہ بھی سقیفہ جیسی بدنام جگہ میں میٹنگ کریں۔ کیا اس کا یہ سبب نہیں تھا کہ وہ خلافت پر قبضہ کرلینا چاہتے تھے بغیر اس کے کہ دوسرے لوگوں کو اطلاع ہو تاکہ سعد کو بعد میں ایک تسلیم شدہ خلیفہ کے طور پر مدینہ والوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

اگر اعلان غدیر خم اور عرب کے قدیم رسم و رواج کو سامنے رکھا جائے تو اس کے علاوہ کوئی دوسری وجہ پیش نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ جب عمر و ابوعبیدہ سقیفہ کے ہنگامے میں مصروف تھے اس وقت مسجد میں جو مسلمان تھے ان کی اکثریت بھی مسجد ہی میں تھی تو آپ دونوں

حضرات نے اس مجمع کو سقیفہ کے اجتماع کی خبر کیوں نہ دی ؟ کیوں یہ دونوں حضرات ابو عبیدہ کے ساتھ چپکے سے کھسک لئے ؟! کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ علیؑ بنی ہاشم اور رسولؐ کے گھر والے مسجد میں موجود تھے اور عمر و ابو بکر یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کو اس سازش کی اطلاع ہو۔ کیا یہ بات نہ تھی کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اگر علیؑ کو سقیفہ کے اجتماع کی اطلاع ملی اور اگر بعید از قیاس انہوں نے خود وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا تو پھر کسی دوسرے کی کامیابی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوگا۔

۵۔ جب ابو بکر مہاجرین کے فضائل بیان کر رہے تھے کہ وہ رسولؐ خدا کے قبیلے سے ہیں تو کیا ان کو یہ خبر نہ تھی کہ کچھ اور بھی حضرات ہیں جو اس دلیل کے پیش کرنے کا بہتر حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ رسولؐ کے اہلِ بیت ہیں اور رسولؐ کا گوشت اور رسولؐ کا خون ہیں۔ اس استدلال کا یہی پہلو تھا جس نے حضرت علیؑ بن ابیطالب کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ احتجوا بالشجرہ واضاعوا الثمرہ (۱۲) انہوں نے درخت کے ذریعے استدلال کیا اور اس کے پھل (یعنی آلِ رسولؐ) کو برباد کر دیا۔

اگر جذبات سے الگ ہٹ کر ہم "سقیفہ کی سرگذشت" پر غور کریں تو ہم اسے "الکشن" نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ رائے دہندگان (یعنی تمام اُمّتِ مسلمہ جو پورے عرب بھر میں پھیلی ہوئی تھی یا کم از کم تمام مسلمانانِ مدینہ۔) کو اس بات کی بھی خبر نہ تھی کہ کوئی "الکشن" ہونے جا رہا ہے چہ جائے کہ اس کی تاریخ اور جگہ اور وقت کی اطلاع ہو، ووٹروں کو جانے دیجئے جو لوگ

(۱۲) نہج البلاغہ مرتبہ سید رضیؒ، صبحی صالح ایڈیشن مطبوعہ بیروت

اُمیدوار ہوسکتے تھے اُن کو بھی سقیفہ میں جو کچھ ہو رہا تھا اُس کی خبر نہ تھی۔

یہاں ہمیں پھر حضرت علیؑ کے دو شعر یاد آتے ہیں جو آپ نے انہیں باتوں کے پیشِ نظر کہے تھے ؎

فان کنت بالشوری ملکت امورھم فکیف بھذا والمشیرون غیب
وان کنت بالقربی حججت خصیمھم فغیرک اولی بالنبی واقرب (۱۳)

اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم نے اُمورِ مملکت پر مسلمانوں کے مشورہ سے قبضہ جمایا ہے تو یہ کیسا مشورہ تھا جب کہ مشورہ دینے والے غائب تھے اور اگر تم نے اپنے مخالفین (انصار) کو یہ کہہ کر مغلوب کیا ہے کہ تم رسولؐ کے قرابت دار ہو تو دوسرا تمہارے مقابلے میں رسولؐ سے زیادہ قریب اور گہرا رشتہ رکھتا ہے۔

ہم اسے "سلیکشن" بھی نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ رسولؐ کے مشہور اصحاب کی اکثریت ان واقعات سے بالکل بے خبر تھی اور علیؑ، عباس، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار، مقداد اور عبدالرحمٰن بن عوف ــــ ان میں سے کسی سے نہ رائے لی گئی اور نہ ہی انہیں خبر دی گئی۔

واحد دلیل جو اس خلافت کے حق میں پیش کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ

(۱۳) نہج البلاغہ کلماتِ قصار ۱۹۰ آپ نے فرمایا: واعجباہ! اتکون الخلافۃ بالصحابۃ ولا بالصحابۃ والقرابۃ؟ تعجب ہے کہ صحابیت کے ذریعے خلافت مل سکتی ہے لیکن صحابیت اور قرابت دونوں اکٹھا ہوجائیں تو خلافت نہیں مل سکتی۔" عجیب بات یہ ہے کہ صبحی صالح کے ایڈیشن اور مفتی محمد عبدہ کے بیروت ۱۹۷۳ء کے ایڈیشن میں آخری فقرہ (ولا بالصحابۃ والقرابۃ) کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۱۸ ص ۴۱۶ مطبوعہ مصر ۱۹۵۹ء۔

"سقیفہ کے واقعات کی قانونی حیثیت جو بھی ہو اس سے مطلب نہیں، چونکہ پرانے قبائلی رواج کی بنا پر ابوبکر عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہو گئے لہذا وہ جائز خلیفہ تھے۔ آسان لفظوں میں ابوبکر جائز خلیفہ ہو گئے کیونکہ وہ حصولِ اقتدار میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو (جن کو اس واقعہ کی تقدیس کا سبق سکھایا گیا ہے) غیر شعوری طور پر یہ درس دیا جاتا ہے کہ اصل چیز طاقت ہے۔ ایک مرتبہ تم مسندِ اقتدار پر جم کر بیٹھ جاؤ تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے، تم جائز خلیفہ اور دستوری سربراہِ مملکت بن جاؤ گے۔ (مسلمانوں میں آئے دن فوجی انقلابات کا رجحان اسی نظریے کی دین ہے۔)

آخر میں اس خلافت کے "مصنف" یعنی عمر بن خطاب نے اس پر یوں تبصرہ کیا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں یہ کہا: "میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عمر اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ہم فلاں کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ! کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے، کوئی یہ نہ سوچے کہ اگرچہ ابوبکر کی بیعت ناگہانی تھی لیکن وہ کامیاب ہو گئی۔ بے شک وہ ناگہانی تھی مگر اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا۔ اب اگر کوئی اس کی نقل کرنا چاہے گا تو میں اس کا گلا کاٹ دوں گا۔"[14]

۲۲۔ حضرت عمر کا استخلاف

حضرات اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ سقیفہ میں جو کچھ ہوا وہ اسلام

(۱۴) صحیح بخاری کتاب محاربین ج ۸ مطبوعہ مکتبۃ الجمہوریہ قاہرہ ص ۲۱۰ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۱/۱۸

کی "روحِ جمہوریت" کا مظاہرہ تھا۔ اس عقیدے کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ توقع بے جا نہ ہو گی کہ جمہوری اندازِ انتخاب (سقیفہ کے سیاق و سباق میں اس کا جو بھی مطلب ہو) آئندہ بھی خلافت اسلامی کی بنیاد کے طور پر جاری رہتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

چونکہ ابوبکر اپنی خلافت کے قیام کے سلسلے میں عمر کے زیرِ بار احسان تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر عوام کو انتخاب کی آزادی دی گئی تو عمر کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ وہ "فظ غلیظ القلب" یعنی بد خلق اور سخت دل کے نام سے مشہور تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنا جانشین خود نامزد کریں گے یعنی عمر کو۔

طبری کی روایت ہے ۔ جب ابوبکر بسترِ مرگ پر تھے، انہوں نے عثمان کو بلایا اور ان سے کہا کہ ایک پروانہ تقرری لکھو اور انہوں نے خود لکھوانا شروع کیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد ہے عبداللہ بن ابی قحافہ (ابوبکر) کا مسلمانوں کے لئے چونکہ ......"

اس کے بعد وہ بیہوش ہو گئے اور عثمان نے یہ الفاظ خود بڑھا دیئے "... عمر بن خطاب کو تمہارے [illegible] اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔"

جب ابوبکر کو ہوش آیا تو انہوں نے عثمان سے کہا جہاں تک لکھا ہے اسے پڑھو! عثمان نے پوری عبارت پڑھی۔ ابوبکر نے کہا "اللہ اکبر"۔ اور پھر خوش ہو کر کہنے لگے: "میرا خیال ہے کہ تمہیں خوف لاحق ہوا ہو گا کہ اگر کہیں اس بیہوشی کے عالم میں میرا انتقال ہو گیا تو شاید اُمت کے درمیان انتشار پیدا ہو جائے۔" عثمان نے کہا: "ہاں۔"

ابوبکر نے کہا: "تمہیں اسلام و مسلمین کی جانب سے خدا جزائے خیر دے"۔ (۱۵)

اس طرح یہ پروانۂ جانشینی تیار ہوا اور ابوبکر نے حکم دیا کہ اسے مسلمانوں کو سُنا دیا جائے۔

ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں: جب ابوبکر کو ہوش آیا کاتب نے جو کچھ لکھا تھا اُسے پڑھ کر سُنایا۔ جب ابوبکر نے عمر کا نام سُنا تو انہوں نے کاتب سے پوچھا: "تم نے یہ کیسے لکھا؟" کاتب نے جواب دیا "میں جانتا تھا کہ آپ ان کو چھوڑ کر دوسرے کا نام نہیں لکھوائیں گے۔" ابوبکر نے کہا: "تم ٹھیک کہتے ہو۔" (۱۶) کچھ دیر کے بعد ابوبکر کا انتقال ہوگیا۔

عمر کو استخلاف نامہ کے ذریعے خلافت ملی۔ یہاں پر اس المیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو رسولؐ خدا کی رحلت کے تین یا پانچ دن قبل واقع ہوا تھا۔

صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت پیغمبرؐ کی رحلت سے تین روز قبل عمر بن خطاب اور دوسرے اصحاب حضرتؐ کی خدمت میں موجود تھے جب رسولؐ اللہ نے فرمایا: "میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو"۔ اس پر عمر نے کہا: "پیغمبرؐ بخار کی شدت میں ہذیان بک رہے ہیں، ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔" عمر کے اس بیان سے حاضرین کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ کچھ نے کہا کہ پیغمبرؐ کے فرمان پر عمل ہونا چاہیئے تاکہ جو کچھ پیغمبرؐ ہماری بھلائی

(۱۵) تاریخ طبری ج ۴ ص ۹ - ۲۱۳۸

(۱۶) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۹ء ج ۱ ص ۱۶۵ - ۱۶۳

کے لئے لکھنا چاہتے ہیں لکھ دیں۔ کچھ لوگوں نے عمر کی حمایت کی۔ جب تنازعہ اور چیخ پکار بڑھ گئی تو پیغمبرؐ نے فرمایا میرے پاس سے نکل جاؤ۔ (۱۷)

یہاں پر موقع کی مناسبت سے چند قرآنی احکام پیش کئے جاتے ہیں۔

...لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ (۱۸) تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سب اعمال حبط (اکارت) ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

پیغمبرؐ کے الفاظ خدا کی وحی ہیں ما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی۔ (۱۹) وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں، یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ـــ مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ بغیر چون و چرا کے حکم رسولؐ کی اطاعت کرتے۔ وما اتیکم الرسول فخذوہ

(۱۷) صحیح مسلم کتاب الوصیة باب ترک الوصیة مطبوعہ قاہرہ ج ۵ ص ۷۵-۷۶ صحیح بخاری مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۸ء ج ۱ کتاب العلم ص ۳۸-۳۹ ج ۴ ص ۸۵ ج ۶ ص ۱۱-۱۲ ج ۷ کتاب الطب ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۹ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۱۳۷ (یہ بات دلچسپ ہے کہ بخاری نے جس جگہ رسولؐ کے بارے میں اس بے ادبانہ کلمے کا استعمال کیا ہے وہاں کہنے والے کا نام مبہم کر دیا ہے مثلاً: "ایک شخص نے کہا" اور جہاں کہنے والے کے نام (عمر) کی تصریح کی ہے وہاں اس جملے کو بدل کر اور ہلکا کر کے لکھا ہے (مثلاً "رسول کو بیماری کی شدت ہے") طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۲۴۲، ۲۴۴، ۳۳۶، ۳۶۸ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۳۲، ۲۳۹، ۳۲۴، ۳۳۶، ۳۵۵ - (۱۸) سورہ حجرات آیہ ۲ - (۱۹) سورۂ نجم - آیت ۳-۴

وما نهاكم عنه فانتهوا (۲۰) جو تمہیں رسول دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے باز رہو۔

اب ایسا رسول اپنے انتقال سے پانچ دن قبل یہ چاہے کہ اپنی امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک نوشتہ لکھ دے تو اس پر "ہذیان بکنے" کی تہمت لگائی جائے۔ جب ابوبکر نے (جن کو غلطیوں سے محفوظ رہنے کی کوئی خدائی ضمانت حاصل نہیں تھی) پروانہ تقرری لکھوانا شروع کیا ایسی خطرناک حالت میں کہ اپنے جانشین کا نام لکھوانے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گئے تو عمر نے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ ہذیان بک رہے ہیں!!

کوئی یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر کیا لکھوانا چاہتے تھے لیکن کچھ ایسے الفاظ حضور نے استعمال فرمائے جن سے کچھ اشارے ملتے ہیں مختلف مواقع پر حضور نے یہ اعلان فرمایا تھا: "لوگو! میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت۔ جو میرے اہلبیت ہیں جبتک تم ان سے تمسک اختیار کئے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔"

جب مرسلِ اعظم نے اپنے انتقال سے پانچ دن قبل بالکل ویسا ہی جملہ ارشاد فرمایا کہ (میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو) تو یہ سمجھ لینا بہت آسان تھا کہ پیغمبر اب اسی چیز کو قیدِ تحریر میں لانا چاہتے ہیں جو کچھ انہوں نے اب تک قرآن و اہلبیت کے بارے میں کہا تھا۔

(۲۰) سورہ حشر آیہ ۷

شاید عمر نے اس بات کو سمجھ لیا جب ہی تو انہوں نے کہا: ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے" گویا عمر رسول کو یہ الٹی میٹم دینا چاہتے تھے کہ وہ ثقلین (دو گرانقدر چیزوں) کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ان کے لئے ایک ہی کافی ہے اور عبداللہ بن عباس سے گفتگو کرتے ہوئے دورانِ کلام میں خود عمر نے اس بات کا اقرار بھی کیا۔ انہوں نے کہا: یقیناً پیغمبر چاہتے تھے کہ اپنے مرض الموت میں علی کو جانشین نامزد کر دیں لیکن میں اس سے مانع ہوا۔[۲۱]

لفظ "ہذیان" سے ہر حال میں عمر کا مقصد حاصل ہو جاتا اگر رسول بعد میں وہ وصیت نامہ تحریر فرما بھی دیتے جب بھی لفظ "ہذیان" سے عمر کا مقصد حاصل تھا وہ اور ان کے ساتھی یہ کہتے کہ چونکہ یہ وصیت نامہ حالتِ "ہذیان" میں لکھا گیا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۲۳۔ شوریٰ

تقریباً دس سال اُمتِ اسلامیہ پر حکومت کرنے کے بعد عمر ایک زردشتی غلام فیروز کے ہاتھوں مہلک طور پر زخمی ہو گئے۔

عمر، ان پروانہ تقرری کی وجہ سے عثمان کے بہت زیادہ احسانمند تھے لیکن وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ عثمان کو علانیہ اپنا خلیفہ و جانشین نامزد کر دیں اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو خلیفہ منتخب کرنے کی آزادی دیدیں، لہٰذا انہوں نے ایک تیسرا انوکھا سسٹم ایجاد کیا۔

انہوں نے کہا: "رسولِ خدا آخر وقت تک قریش کے ان چھ آدمیوں

(۲۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۲ صـ۲۱

سے راضی دنیا سے اُٹھے علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب ان کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دوں کہ وہ اپنے درمیان میں سے ایک خلیفہ منتخب کرلیں"۔

جب عمر بالکل قریب مرگ تھے تو انہوں نے ان چھ افراد کو بلایا اور اُن کی جانب دیکھ کر کہنے لگے۔ تو کیا تم میں سے ہر ایک میرے بعد خلیفہ بننا چاہتا ہے؟ کسی نے جواب نہیں دیا۔ عمر نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ اب زبیر بولے: ہمارے اندر کون سی کمی ہے۔ تم نے خلافت پائی اور اسے چلایا اور ہم قریش میں تم سے کمتر نہیں۔ نہ تو اولویت میں اور نہ رسولؐ کی قرابت میں عمر نے کہا: "کیا میں تم لوگوں کے متعلق تم سے کچھ نہ کہوں؟"

زبیر نے کہا: کہیئے! کیونکہ اگر ہم منع بھی کریں جب بھی آپ نہیں سنیں گے۔ اس کے بعد عمر نے زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف کے نقائص گنانے شروع کیئے۔

پھر حضرت علیؑ کی طرف رُخ کر کے بولے: خدا کی قسم تم خلافت کے مستحق ہو۔ اگر تمہارے اندر خوش طبعی نہ ہوتی پھر بھی واللہ اگر تم لوگ ان کو اپنا حاکم بناؤ تو یہ تمہیں خالص حق اور صراطِ روشن پر لے جائیں گے۔

اس کے بعد عمر عثمان سے مخاطب ہوئے اور کہا: میری بات گرہ باندھ لو، ایسا ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ قریش نے تمہاری محبت کی وجہ سے قلادہ تمہاری گردن میں ڈال دیا ہے اور پھر تم نے بنی امیہ اور بنی ابی معیط (عثمان کا قبیلہ) کو لوگوں کے کندھوں پر مسلط کر دیا اور مال غنیمت کو انہیں دونوں خاندانوں میں محدود کر دیا ہے اس کے بعد

عرب کے بھیڑیوں کا ایک گروہ تمہارے پاس پہنچا ہے اور تمہیں تمہارے بستر میں پھاڑ کھایا ہے۔ واللہ اگر قریش نے تمہیں یہ خلافت دی تو پھر تم تمام حقوق بنی امیہ کے لئے مخصوص کر دو گے اور اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً مسلمان تمہیں ہلاک کر دیں گے"۔ اس کے بعد انہوں نے عثمان کی پیشانی پکڑی اور کہا: اگر ایسا ہو تو میرے الفاظ کو یاد کرنا کیونکہ ایسا یقیناً ہونے والا ہے۔

اس کے بعد عمر نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرے دفن کے بعد تم انصار سے پچاس مسلح افراد کو منتخب کرنا جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں برہنہ شمشیر ہو اور ان چھ افراد کو ایک گھر میں بند کر دینا تاکہ وہ آپس میں ایک خلیفہ منتخب کرلیں۔ اگر پانچ ایک پر متفق ہو جائیں اور چھٹا مخالفت کرے تو اس کو قتل کر دینا، اگر چار ایک پر متفق ہو جائیں اور دو مخالفت کریں تو ان دو کا سر کاٹ دینا۔ اگر تین تین کے دو گروپ ہو جائیں تو جس طرف عبدالرحمٰن بن عوف ہوں، ان کی بات مانی جائے گی اور دوسرے تین اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان تینوں کی گردن اُڑا دی جائے۔ اور اگر یہ لوگ کسی فیصلے تک نہ پہنچیں تو سب کو قتل کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا جائے کہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں"۔(۲۲)

مشہور شیعہ مصنف قطب الراوندی لکھتے ہیں: جب عمر نے یہ حکم دیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی بات تسلیم کی جائے گی تو عبداللہ بن عباس نے

---

(۲۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۸۵-۱۸۸ الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ بیروت ج ۱ صفحہ ۲۳-۲۷ تاریخ طبری مطبوعہ مصر ج ۵ صفحہ ۳۳-۴۱

حضرت علیؑ سے کہا: اس بار بھی یہ امر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا، یہ شخص عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: میں بھی جانتا ہوں پھر بھی میں شوریٰ میں ان کے ساتھ بیٹھوں گا کیونکہ اس تجویز کے ذریعے آخر کار عمر نے علی الاعلان یہ تسلیم کر لیا ہے کہ میں بھی خلافت کا اہل ہوں جبکہ اس سے قبل وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ نبوت اور امامت ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی۔ لہذا میں شوریٰ میں شرکت کروں گا تاکہ لوگوں کو عمر کے قول و فعل کا تضاد بتا سکوں۔ (۲۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابن عباس اور حضرت علیؑ کو کیوں یقین تھا کہ عمر، عثمان کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا سبب شوریٰ کے افراد کا باہمی لگاؤ اور شوریٰ کا معین کردہ طریقۂ کار تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف عثمان کے بہنوئی تھے اور سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف ایک ہی خاندان بنی مخزوم سے تھے اور ایکدوسرے کے ابن عم تھے۔ عرب کے قبائلی تعصّب کو دیکھتے ہوئے یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ سعد، عبدالرحمٰن کی مخالفت کریں گے یا عبدالرحمٰن عثمان کو نظرانداز کر دیں گے، لہذا عثمان کی تحویل میں تین ووٹ پہلے سے تھے جن میں عبدالرحمٰن کا فیصلہ کن ووٹ بھی شامل تھا۔

اب رہے طلحہ، وہ ابوبکر کے خاندان سے تھے اور سقیفہ کے واقعہ کے بعد سے بنی ہاشم اور بنی تیم میں آپس میں عداوت چلی آ رہی تھی اس پر مستزاد یہ کہ حضرت علیؑ نے جنگِ بدر میں طلحہ کے چچا عمیر بن عثمان اور ان

(۲۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۱۸۹

کے دو بھائیوں عثمان اور مالک کو قتل کیا تھا۔ (۲۴)۔ لہذا طلحہ کے لئے علیؑ کی حمایت ناممکن تھی۔

باقی رہے زبیر۔ وہ حضرت علیؑ کے پھوپھی زاد بھائی اور جناب صفیہ کے بیٹے تھے اور سقیفہ کے بعد انہوں نے تلوار نکالی تھی کہ ان لوگوں سے جنگ کریں جو حضرت علیؑ کے گھر میں داخل ہو کر ان کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔ قرین قیاس تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی حمایت کریں گے لیکن اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے وہ خود خلافت کے اُمیدوار بن جائیں۔

اس طرح زیادہ سے زیادہ جو ووٹ حضرت علیؑ کو مل سکتے تھے وہ خود اپنا ووٹ اور زبیر کا ووٹ تھا پھر بھی چار ووٹ ان کے خلاف ہوتے اور وہ ہار جاتے اگر ایک ناممکن سی صورت فرض کی جائے کہ طلحہ علیؑ کا ساتھ دے دیں جب بھی علیؑ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے کیوں کہ تین تین کی گروپ بندی کی صورت میں عبدالرحمٰن کی رائے قول فیصل ہوتی۔ (۲۵)

شوریٰ کے طریقۂ کار اور اس کے اثرات پر اس طرح غور کرنے کے بعد جو کچھ شوریٰ میں ہوا اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ طلحہ نے عثمان کی حمایت میں اپنا نام واپس لے لیا۔ زبیر حضرت علیؑ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور سعد نے عبدالرحمٰن کی حمایت میں دستبرداری اختیار

(۲۴) کتاب الارشاد شیخ مفید انتشارات علمیہ اسلامیہ تہران با ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی ج ۱ ص ۹۳

(۲۵) طبری نے اپنی تاریخ ج ۵ ص ۳۵ میں یہ تجزیہ خود حضرت علیؑ کی طرف منسوب کیا ہے وہاں [illegible]

کی۔ تیسرے دن عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنا نام واپس لے کر حضرت علیؑ
سے کہا میں آپ کو خلیفہ بنا سکتا ہوں بشرطیکہ آپ کتاب اللہ سنّتِ رسولؐ
اور سیرتِ شیخین (ابوبکر و عمر) پر عمل کرنے کا وعدہ کریں۔ عبدالرحمٰن اچھی
طرح جانتے تھے کہ جواب کیا ملے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: کتابِ خدا، سنّتِ
رسولؐ اور رہبری اپنی رائے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے یہی شرطیں عثمان کے
سامنے رکھیں جنھیں انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔

حضرت علیؑ نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ خدا کی قسم تم نے اسی اُمید پر یہ کام
کیا ہے جس امید پر عمر نے اپنے دوست کی بیعت کی تھی (یعنی عبدالرحمٰن نے
اس اُمید پر عثمان کو خلیفہ بنایا تھا کہ وہ کل عبدالرحمٰن کو اپنا جانشین نامزد کر
دیں گے)۔ پھر حضرت علیؑ نے بددُعا دی کہ خدا تم دونوں کے درمیان دشمنی
پیدا کر دے۔ کچھ عرصہ کے بعد عبدالرحمٰن اور عثمان ایکدوسرے سے اتنی
نفرت کرنے لگے کہ ایک دوسرے سے بات بھی نہیں کرتے تھے یہاں تک
عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا۔

۲۴۔ فوجی طاقت

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان اپنی اقربا پرستی کی وجہ سے مسلمانوں کے
ہاتھوں مارے گئے۔ حالات نے ان کو اتنا موقع نہیں دیا کہ اپنے بعد اپنی
پسند کے کسی آدمی کی خلافت کا انتظام کر کے جاتے۔ اب یہ پہلا موقع
تھا کہ مسلمان واقعی اپنی پسند کے خلیفہ کے انتخاب میں آزاد تھے۔ وہ
علیؑ کے دروازے پر دوڑ پڑے۔

مگر وفاتِ رسولؐ کے بعد سے جو پچیس سال کا عرصہ گذرا تھا۔ اسمیں

مسلمانوں کا مزاج اور ان کی عادتیں اس حد تک بدل گئی تھیں کہ بہت سے
نمایاں افراد کو حضرت علیؑ کا نظام برداشت نہ ہو سکا حالانکہ وہ نظام بعینہٖ
رسولؐ اللہ کی حکومت کی طرح سو فیصد خالص عدل و مساوات پر مبنی تھا۔ وہ
لوگ اب یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کو غیر عرب مسلمانوں کے برابر سمجھا
جائے۔ پہلے تو طلحہ، زبیر اور عائشہ مخالفت پر کمربستہ ہوئے پھر معاویہ نے
آپ کے خلاف بغاوت کر دی۔

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ معاویہ سے جنگ جاری
رکھنا چاہتے تھے لیکن اس درمیان میں آپ کے بہت سے افسران معاویہ
کے ہاتھوں بک گئے۔ جب معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لئے فوج بھیجی گئی
تو سپہ سالار صاحب فوج کو چھوڑ کر راتوں رات معاویہ سے جا ملے۔ ان
نامساعد حالات میں آپ کو معاویہ کی صلح کی پیش کش کو قبول کرنا پڑا۔

اس معاہدے کے بعد حضرات اہلسنت یہ کہنے لگے کہ فوجی طاقت
خلافتِ رسولؐ حاصل کرنے کا ایک جائز طریقہ ہے، اس طرح خلافت کے چار
دستوری ذرائع وجود میں آئے۔

۲۵۔ ان اصول پر ایک طائرانہ نظر

سیاسی میدان میں عام طور پر ملک کا دستورِ حکومت پہلے سے تیار
کیا جاتا ہے اور جب کسی حکومت کے انتخاب یا قانون کے پاس کرنے کا موقع
آتا ہے تو تمام مراحل اسی دستورِ اساسی کے دفعات کے ماتحت انجام دیئے
جاتے ہیں جو کچھ دستورِ اساسی کے مطابق ہوتا ہے اسے جائز اور قانونی
تسلیم کیا جاتا ہے، جو کچھ اس کے خلاف ہوتا ہے اسے ناجائز اور غیر قانونی

قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

چونکہ سُنی نقطۂ نظر کے مطابق یہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک خلیفہ کا انتخاب کرے اس لئے خدا اور اس کے رسولؐ پر لازم تھا کہ وہ اُمت کو ایک آئین بنا کر دے دیتے جس میں خلیفہ کے انتخاب کے تمام مراحل کی تفصیلات درج ہوتیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو خود مسلمانوں کو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کسی خلیفہ کے انتخاب سے قبل تمام آئینی شقوں کو پہلے سے طے کر لیتے۔

لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا اور ہم ایک اچھوتے قسم کا غیر طے شدہ دستورِ حکومت دیکھتے ہیں جس میں واقعات دستور کے تابع نہیں ہوتے (کیونکہ دستور تھا ہی نہیں) بلکہ دستور حادثات اور واقعات کا تابع ہوتا ہے۔

اہلسنت حضرات اس سلسلے میں جو سب سے اہم دلیل دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں نے خلیفہ کے انتخاب کو اپنا فرض سمجھا اور انہوں نے اس ذمہ داری کو اتنا اہم سمجھا کہ رسولؐ خدا کی تجہیز و تکفین سے منہ موڑ لیا اور مسئلہ خلافت کو طے کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اس واقعہ سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ خلیفہ کا تقرر اُمّت کی ذمّہ داری تھی۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہاں خود اسی "نام نہاد الکشن" کا جواز معرضِ بحث میں ہے جس کو شیعہ حضرات چیلنج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہوا وہ غیر قانونی تھا جبکہ سنّی کہتے ہیں کہ یہ بالکل قانونی اور جائز تھا۔ اب اہلسنت اسی الیکشن کو اپنی دلیل کے طور پر کیسے پیش کر سکتے ہیں؟ دعوے کو دلیل بنا کر پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ "میرا یہ عمل قانونی ہے کیونکہ

میں نے اسے کیا ہے۔" میں نہیں جانتا کہ کون سی عدالت ایسے استدلال کو مانے گی!!

۲۶۔ عملی پہلو

اِن طریقوں کے علمی اور منطقی پہلوؤں کو نظر انداز کیجئے۔ ذرا یہ دیکھئے کہ ان کا اثر اسلامی قیادت اور مسلم ذہنیت پر کیا پڑا۔

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد تیس سال کے اندر اندر اقتدار حاصل کرنے کے ہر قابلِ تصور طریقۂ کار کو استعمال کر لیا گیا اور اسے سندِ جواز عطا کر دی گئی۔ الکشن بھی اور سلکشن بھی، نامزدگی بھی اور فوجی طاقت بھی۔ اتنی صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ہم اقتدار حاصل کرنے کا کوئی نیا طریقہ نہیں سوچ سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مسلمان مسندِ خلافت اور مسلمانوں کی دینی قیادت حاصل کرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ مسلمانوں کے نظریات کا یہی بنیادی نقص ہے جو کہ دنیائے اسلام کے سیاسی عدم استحکام کا بنیادی سبب رہا ہے اور اب تک ہے۔

ہر مسلمان حکمران کو ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ پڑھایا گیا ہے کہ فوجی بالادستی اور قہر و غلبہ حصول خلافت کا جائز ذریعہ ہے، اس تعلیم کے اثر سے وہ دوسرے مسلمان حکمرانوں کو کمزور کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ خود تمام مسلم حکمرانوں میں سب سے طاقتور اور سب سے بالا بن جائے۔ اس طرح اس نظامِ حکومت نے مسلمانوں کو دنیا میں کمزور بنائے رکھنے میں براہ راست رول ادا کیا ہے۔

ذرا یہ دیکھیں کہ حصول خلافت کے یہ چاروں طریقے اپنی ایجاد کے

فوراً بعد کیسے "جامع" اور ہمہ گیر ثابت ہوئے۔ خلافت کی یہ چار دیواری ایسی غیر محفوظ ہے کہ ہر شخص اس میں داخل ہو سکتا ہے چاہے اس کا علم اور کردار کیسا ہی ہو۔ معاویہ کے بعد پہلا خلیفہ یزید بن معاویہ ہوا جس کو خود معاویہ نے نامزد کیا۔ (یہ نامزدگی ہوئی) اس کی فوجی طاقت ایسی تھی جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا (یہ قہر و غلبہ ہوا) مسلمانوں نے معاویہ کی زندگی میں اس کی بیعت کر لی تھی (لہٰذا اس پر اجماع بھی تھا) لہٰذا دستوری لحاظ سے وہ ایک جائز خلیفہ تھا مگر اس کا عقیدہ اور کردار کیسا تھا؟

یزید ایسا شخص تھا جو رسالتِ پیغمبرؐ کا منکر تھا اور اپنے اشعار میں اس نے کھلم کھلا اپنے عقائد کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

لعبت هاشم بالملك فلا خبر جاء ولا وحي نزل (۲۶)

وہ روزِ قیامت اور جزا و سزا کو بھی نہیں مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا ؎

فان الذی حدثت عن یوم بعثنا
احادیث طسم تجعل القلب ساهیا (۲۷)

اے میری محبوبہ! یہ یقین نہ رکھ کہ مرنے کے بعد تو مجھ سے ملے گی کیونکہ جو کچھ تجھے حیات بعد الموت کے بارے میں بتایا گیا ہے وہ اساطیری قصے ہیں جو دلوں کو دنیوی عیش و عشرت سے غافل کر دیتے ہیں۔

خلافت حاصل کرنے کے بعد اس نے علی الاعلان عباداتِ اسلامی کا

(۲۶) پہلے حصّہ کا نوٹ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

(۲۷) تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی صفحہ ۲۹۱

مذاق اُڑایا، مذہب کی تذلیل کے لئے اس نے کتوں اور بندروں کو علماء کا لباس پہنایا، شراب اور قمار بازی، بھالوؤں اور ریچھوں کے ساتھ کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ اپنا سارا وقت بغیر کسی خدشے کے ہر جگہ اور ہر موقع پر شراب خواری میں گذارتا تھا۔ کسی عورت کا اس کی نظر میں کوئی احترام نہیں تھا، یہاں تک کہ محارم (سوتیلی ماں، بہن، پھوپھی، لڑکی) اس کے لئے عام عورتوں کی مانند تھیں۔

اس نے مدینہ پر لشکر کشی کی اور مدینۃ الرسولؐ کے تقدس کو اس کے لشکر نے پامال کیا۔ شہر میں آزادی سے لوٹ مار کی گئی۔ اس کے فوجیوں نے سیکڑوں عورتوں کی عصمت دری کی، جن میں تین سو باکرہ لڑکیاں تھیں۔ تین سو قاریانِ قرآن اور سات سو اصحابِ رسولؐ کو بہیمیت سے قتل کیا گیا۔ مسجد النبیؐ میں کئی دن تک نماز نہیں ہوئی کیونکہ یزید کا لشکر اسے اپنے اصطبل کے طور پر استعمال کر رہا تھا اور کتوں نے اسے اپنی آماج گاہ بنایا اور منبرِ رسولؐ کو بھی ناپاک کر دیا۔

آخر کار لشکرِ یزید کے سپہ سالار نے اہلِ مدینہ کو مجبور کیا کہ وہ یزید کی بیعت ان الفاظ میں کریں: "ہم لوگ یزید کے غلام ہیں اب یہ اس کی مرضی ہے کہ چاہے تو ہمیں آزاد کر دے اور چاہے تو بازار میں بیچ ڈالے"۔ جن لوگوں نے ان الفاظ میں بیعت کرنی چاہی کہ یزید قرآن اور سنتِ رسولؐ کی پیروی کرے گا، انہیں شہید کر دیا گیا۔ (۲۸)

(۲۸) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹، تاریخ ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۱۹۲ تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۸۸ روضۃ الصفا ج ۳ صفحہ ۶۶ صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۲۲۲

یہاں یہ بیان کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ رسولِ خدا نے فرمایا تھا:-

"جو اہل مدینہ کو ڈرائے اس پر خدا کی لعنت ہو (لعن اللّٰہ من اخاف اھل المدینہ)"

اس کے بعد یزید کے حکم سے اس کی فوج نے مکہ کا رُخ کیا اور خدا کے اس مقدس ترین شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ وہ شہر میں داخل نہ ہو سکا اس لئے منجنیق استعمال کی گئی جس سے دور کے نشانوں پر پتھر اور گولے پھینکے جاتے ہیں اور ان لوگوں نے منجنیق کے ذریعے پتھر اور جلتی ہوئی لکڑیاں کعبہ پر پھینکیں۔ غلافِ کعبہ جل گیا اور کعبہ کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ (۲۹)

۲۷۔ ولید اور ہارون رشید

یہ کوئی استثنائی صورت حال نہ تھی۔ متاسفانہ یہ لکھنا پڑتا ہے کہ بنی امیہ کا ایک اور خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک تھا جو کہ اول درجے کا شرابی تھا۔ ایک رات وہ اپنی ایک کنیز کے ساتھ شراب پی رہا تھا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان ہو گئی۔ اس نے قسم کھائی کہ آج وہی کنیز نماز پڑھائے گی۔ اس نے خلیفہ کا لباس پہنا۔ اسی نشہ کی حالت میں مسجد میں جا کر نماز پڑھائی (۳۰) ایک دن ولید کی نظر اپنی کنواری لڑکی پر پڑی اور اس نے اس سے اپنا منہ کالا کیا۔ لڑکی کی دایہ وہاں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا یہ مجوس کا دین ہے۔ ولید نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

من راقب الناس مات ھماً   وفاز باللذاۃ الجسور

(۲۹) نوٹ نمبر ۲۸ ملاحظہ ہو۔ (۳۰) العقد الفرید ابو عمر احمد بن محمد عبد ربہ الاندلسی بیروت (۱۹۸۳/۱۴۰۳) ج ۴ صفحہ ۶۴

یعنی جو لوگوں (کی زبان) کا لحاظ کرتا ہے وہ فکر میں مرتا ہے اور جو جرأتمند ہوتا ہے وہ لذتیں اُٹھاتا ہے۔ (۳۱)

"الف لیلہ ولیلہ" کا مشہور خلیفہ ہارون الرشید بہت با عظمت خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے باپ کی ایک کنیز کے ساتھ ہمبستری کرنا چاہتا تھا۔ اُس کنیز نے اس کو توجہ دلائی کہ چونکہ وہ اس کے باپ کی کنیز رہ چکی ہے اس لئے سوتیلی ماں کا درجہ رکھتی ہے اور ایسی حالت میں ایسے تعلقات بدترین قسم کا زنا ہوں گے۔ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف کو بُلایا اور ان سے یہ فرمائش کی کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے خلیفۂ وقت اپنی خواہش نفسانی کو پورا کر سکیں۔ قاضی نے کہا وہ تو ایک کنیز ہے، کیا جو کچھ وہ کہے گی آپ اسے مان لیں گے، آپ اس کا دعویٰ قبول کرنے کے پابند نہیں اور خلیفہ نے اپنی خواہش پوری کر لی۔

ابن مبارک نے اس پر تبصرہ کیا ہے: "مجھے نہیں معلوم کہ ان تینوں میں سے کس پر زیادہ تعجب کروں؟ اُس خلیفہ پر جو اپنا ہاتھ مسلمانوں کے جان و مال میں ڈبوتا ہے اور اپنی سوتیلی ماں کی بھی عزت نہیں رکھتا، یا اُس کنیز پر جو خلیفہ کی خواہشات نفسانی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر گئی، یا اُس قاضی پر جو خلیفہ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو بے آبرو کرے اور اس کی کنیز کے ساتھ ہمبستری کرے، جو اسکی سوتیلی ماں تھی۔ (۳۲)

(۳۱) تاریخ الخمیس حسین بن محمد ابن الحسن الدیار بکری، مطبوعہ بیروت سنہ ۱۲۸۳ھ ج ۲ صفحہ ۳۲۰

(۳۲) تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۹۱

۲۸۔ عدلِ الٰہی اور عصمت انبیاء کے عقیدے پر خلافت کے اثرات

یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ نظام خلافت کے سلسلے میں اہلسنت کے نظریات نے مسلمانوں کو سیاسی طور پر کتنا کمزور کر دیا اور کس طرح ان کو اس کا عادی بنا دیا کہ وہ ہر اُس شخص کی اطاعت کریں جو اقتدار حاصل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو جائے بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ اس میں کتنی صلاحیت ہے یا اُس کا کردار کیسا ہے' اتنا ہی نہیں بلکہ اس عقیدے نے ان کے پُورے مذہبی نظریات اور دینی عقائد کو متاثر کر دیا ہے۔ ان کے خلفاء کی ایک کثیر تعداد مذہبی صلاح وتقویٰ کے احساس سے بالکل عاری تھی۔ ایسے لوگوں کی خلافت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے حضرات اہلسنت کو یہ کہنا پڑا کہ خلفاء کا کیا ذکر' انبیاء بھی گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے؛ اس طرح عصمت انبیاء کا عقیدہ بدل دیا گیا۔(۳۳)

نیز چونکہ تقریباً ہر زمانے میں سیکڑوں افراد ایسے تھے جن کا علم اور تقویٰ خلیفۂ وقت سے کہیں بڑھ کر تھا اور وہ خلافت کے لئے اپنے دور کے خلفاء سے زیادہ موزوں تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہ کہا کہ افضل پر مفضول کو ترجیح دینے میں بالکل کوئی مضائقہ نہیں یعنی اس میں عقلاً کوئی خرابی نہیں کہ ایک کم علم اور بدکردار شخص کو اس سے کہیں بڑے عالم اور متقی شخص کی موجودگی میں خلیفہ بنا دیا جائے۔ جب شیعوں نے یہ کہا کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو ترجیح دینا عقلاً قبیح ہے تو حضرات اہلسنت نے

(۳۳) مولف محترم کی کتاب Prophethood مطبوعہ دارالسلام دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۵ء صفحات ۹ ملاحظہ ہو۔

اس کے جواب میں یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ کوئی چیز بذات خود اچھی یا بُری نہیں ہوتی بلکہ جس کا خدا حکم دیتا ہے وہ اچھی ہو جاتی ہے اور جس چیز سے منع کرتا ہے وہ خراب ہو جاتی ہے۔(۳۴) جہاں تک عقل کا تعلق ہے انہوں نے اس کو مذہب میں کوئی جگہ نہیں دی۔

یہاں تفصیل سے یہ بیان کرنے کا موقع نہیں کہ نظام خلافت کے بارے میں اہلسنت کے عقیدے نے پورے اسلامی عقائد اور علم کلام کے ڈھانچے کو کس بُری طرح متاثر کیا ہے لیکن ابھی جو کچھ بیان کیا گیا وہی فی الحال کافی ہے۔

اب یہ واضح ہو گیا کہ خلفاء کو اعتراضات سے بچانے کے لئے نہ صرف انبیاء کو ان کی عصمت سے محروم کر دیا گیا بلکہ خدا کو بھی اس کی عدالت سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن وہ ہنگامی دَور گذر چکا ہے اور اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ دُور ایک بلندی پر کھڑے ہو کر تمام واقعات کے علل واسباب اور نتائج واثرات کا ایک نگاہ میں جائزہ لے سکیں اور اسی روشنی میں ہم آسانی سے غدیر خم میں نازل شدہ آیت کا مفہوم کما حقہ' سمجھ سکتے ہیں۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس۔(۳۵)

اسلامی عقائد کی پاکیزگی اور اعمال کی طہارت اس بات پر موقوف تھی۔ کہ رسولؐ کے بعد علیؑ کو خلیفہ بنایا جائے۔ اگر وہ ایک پیغام نہ پہنچایا جاتا تو کوئی

(۳۴) مولف محترم کی کتاب Justice of God مطبوعہ ممباسہ کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۰ء ملاحظہ ہو۔ (۳۵) سورۂ مائدہ آیۃ ۶۷

پیغام نہیں پہنچایا گیا۔ پورے دین و مذہب کا تحفظ اس چیز پر منحصر تھا کہ رسولؐ کے بعد خلافت بلا فصل علیؑ کے ہاتھ میں آجائے۔

۲۹۔ کیا تشیع غیر جمہوری ہے؟

جب اہلسنّت پہلے چار خلفاء کی اور ہمارے آئمہ کی جانشینی کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تشیع غیر جمہوری ہے۔ تمام بارہ آئمہ ایک ہی خاندان اور ایک ہی نسل سے تھے جبکہ سُنّیوں کے پہلے چار خلفاء مختلف خاندانوں میں سے تھے اور وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ سنی مذہب اصولاً جمہوری ہے جس کے بارے میں آجکل یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ بہترین نظام حکومت ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ تشیع وراثت پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کوئی اچھا نظام نہیں۔

سب سے پہلے تو کوئی بھی نظام حکومت بذاتِ خود نہ اچھا ہوتا ہے نہ بُرا۔ بلکہ اتنا ہی اچھا یا بُرا ہوتا ہے جتنا وہ آدمی اچھا یا بُرا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے۔ بنا برین شیعوں کا یہ عقیدہ کہ امام کو معصوم ہونا چاہیئے اور ہر قسم کے گناہ و نقائص اور رجس سے پاک و منزہ ہونا چاہئے۔ اور تمام صفاتِ حسنہ میں سب سے افضل ہونا چاہیئے۔ اس بات کی ضمانت ہے کہ اس امام کی حکومت سب سے بہتر اور سب سے زیادہ عادلانہ ہوگی۔ شیعہ نظام میں ایک سرے پر حضرت علیؑ کا خالص عادلانہ نظام ہے جسے آپؑ نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں نافذ کیا اور دوسرے سرے پر رسولؐ کی متفق علیہ حدیث ہے جو آپؐ نے آخری امام مہدی کے بارے

میں فرمائی ہے کہ "وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی"(۳۶)۔

اس طرح ہمارا یہ استدلال عملی بنیادوں پر قائم ہے صرف ذہنی قیاس آرائی نہیں ہے۔!

دوسرے یہ کہ اہلسنت کے تمام خلفاء ابوبکر سے لے کر بنی عباس کے آخری خلیفہ المستعصم باللہ تک۔ (جس کو ہلاکو خان نے ۶۵۶ھ میں ہلاک کر دیا) قریش سے تھے، کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ سُنّی نظام نے مشرقی چین سے اسپین تک تمام مسلمانوں پر ساڑھے چھ سو برس تک ایک ہی خاندان کی حکومت مسلط کر رکھی۔

تیسرے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اہلسنت کا نظام خلافت کبھی جمہوریت کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا۔ پہلے خلیفہ کو مسلمانوں پر گنتی کے چند اصحاب نے مسلط کر دیا۔ دوسرے خلیفہ کو پہلے خلیفہ نے نامزد کیا۔ تیسرے خلیفہ کو نام کے لئے پانچ لیکن حقیقت میں ایک آدمی نے منتخب کیا۔ معاویہ نے فوجی تشدد کے ذریعے خلافت حاصل کی۔ معاویہ کے پہلے تک اسے زیادہ سے اولیگارچی (oligarchy یعنی چند بڑے لوگوں کے ذریعے قائم ہونے والی سلطنت کہا جا سکتا ہے اور معاویہ کے بعد تو موروثی ملوکیت ہوگئی۔

یہ تو حال تھا اس دستور اساسی کی جمہوریت کا، جس کو استعمال میں

---

(۳۶) صحیح ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۰۷ مسند احمد بن حنبل ج ۱ صفحہ ۳۷۷ و ۴۳۰ ج ۳ صفحہ ۲۸ مستدرک حاکم ج ۴ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۴ھ صفحہ ۴۶۵ و ۵۵۷

لایا گیا۔ اب ذرا ایک نظر ان پہلی خلافتوں کی کارکردگی پر ڈال لیں کہ وہ مساوات کا (جو جمہوریت کا غیر منفک حصّہ ہے) کیسا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

حضرت عمر نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ کوئی غیر عرب کسی عرب کا وارث نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ وارث عرب کے حدود میں پیدا نہ ہوا ہو۔(۳۷) علاوہ بریں اہلسنت کی شریعت بالکل ابتدائی دور سے ایک غیر عرب کو عرب عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی، نہ ہی ایک غیر قرشی یا غیر ہاشمی مرد کسی ہاشمی یا قرشی عورت سے شادی کرنے کا مجاز ہے۔ شافعی فقہ کے مطابق ایک غلام آزادی کے بعد بھی آزاد عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔(۳۸) یہ احکامات و قوانین پیغمبرؐ کے اس مشہور اعلان کے باوجود نافذ کئے گئے کہ "نہ عرب کو غیر عرب پر فضیلت حاصل ہے نہ ہی غیر عرب کو عرب پر۔ نہ سفید فام سیاہ فام سے افضل ہے، نہ ہی سیاہ فام سفید فام سے۔ سوائے تقویٰ کے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔" (۳۹) نیز یہ احکام ان نظائر کے باوجود دئے گئے جو رسولؐ نے قائم کئے تھے جبکہ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا عقد اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کیا اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن (ایک قرشی عورت) کو آزاد کردہ غلام بلال کی زوجیت میں دیا۔(۴۰)

شیعہ شریعت صاف صاف کہتی ہے کہ ایک آزاد عورت ایک غلام سے

---

(۳۷) موطا امام مالک ج ۲ مطبوعہ قاہرہ صفحہ ۹۰ (۳۸) الفقہ علی المذاہب الاربعہ عبدالرحمٰن الجزائری ج ۴ صفحہ ۶۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۹ء (۳۹) در منثور سیوطی ج ۶ صفحہ ۹۸

(۴۰) زاد المعاد ابن قیم ج ۴ صفحہ ۲۲ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۰ء

ایک عرب عورت غیر عرب سے، ایک ہاشمی عورت غیر ہاشمی مرد سے شادی کر سکتی ہے اور بالعکس۔ اسی طرح ایک تعلیم یافتہ یا دولت مند خاندان کی عورت ایسے مرد سے شادی کر سکتی ہے جو کم پڑھا لکھا ہو یا غریب ہو یا ایسی حرفت یا پیشے کو اختیار کئے ہو جو عام طور سے عزّت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔" (۴۱)

مالِ غنیمت کی تقسیم میں پیغمبرؐ نے مساوات کا اصول قائم کیا تھا جتنے لوگوں نے اس جنگ میں شرکت کی ہو اُن سب کے درمیان وہ مالِ غنیمت بالسویہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ البتہ سواروں کو پیادہ کے مقابلے میں دوہرا حصّہ دیا جاتا تھا۔ ابوبکر نے اسی نظام کو جاری رکھا۔ لیکن عمر نے ۱۵ھ ہجری میں رسولؐ کی وفات کے صرف چار سال بعد اس نظامِ رسولؐ کو بدل دیا۔ انہوں نے مختلف افراد، خاندان اور قبائل کے لئے سالانہ وظائف مقرر کئے۔ رسولؐ کے چچا جناب عباس کے لئے بارہ ہزار یا پندرہ ہزار دینار سالانہ مقرر کیا گیا حضرت عائشہ کو بارہ ہزار دینار اور دوسری امہات المومنین میں سے ہر ایک کو دس ہزار دینار، جنگ بدر میں حصہ لینے والوں کو پانچ ہزار، وہ لوگ جو جنگ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ایمان لائے ان میں سے ہر ایک کو چار ہزار سالانہ اور جو صلح حدیبیہ کے بعد اور جنگ قادسیہ سے پہلے مسلمان ہو گئے ان میں سے ہر ایک کے لئے تین ہزار سالانہ مقرر کیا گیا۔ وظیفے کی رقم اسی طرح بتدریج کم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ دو دینار سالانہ تک پہنچ گئی۔ (۴۲) اس نظام نے امتِ اسلامیہ کو اس حد تک فاسد کر دیا کہ

---

(۴۱) شرائع الاسلام محقق حلی کتاب النکاح ج ۵ مطبوعہ نجف ۱۹۶۹ء صفحہ ۳۰۔ منہاج الصالحین سید محسن الحکیم کتاب النکاح ج ۲

(۴۲) تاریخ طبری ج ۵ صفحہ ۲۴۱۱-۲۴۱۴ Nicholson, A Literary History of the Arabs. P. 247

دولت ان کی زندگی کا واحد مقصد اور ان کے دین کا واحد فائدہ بن گئی۔ مادیت ان کا نقطۂ نگاہ بن گئی اور جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے وہ لوگ مساویانہ تقسیم کے اس نظام کو برداشت نہ کر سکے جس کو حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری حاصل کرنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں پھر سے قائم کیا۔ گنجائش کی کمی کی وجہ سے اس تقریر کے صرف چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: "تم آگاہ ہو جاؤ! اصحاب رسولؐ میں سے مہاجرین وانصار کی کوئی فرد جو یہ سمجھتی ہو کہ وہ صحابیت کی بنا پر دوسروں سے افضل ہے۔ اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقی فضیلت کل خدا کے سامنے ظاہر ہوگی اور اس کا اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے (یعنی اپنی صحابیت یا فضیلت کے اجر کی توقع اس دنیا میں نہیں رکھنا چاہیئے) ہر وہ شخص جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہی اور ہمارے مذہب کی صداقت کو مان لیا اور اس میں داخل ہو گیا اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کیا وہ اسلام کے تمام حقوق کا مستحق ہے اور اس کے تمام حدود کا پابند ہے۔ تم لوگ خدا کے بندے ہو اور یہ دولت خدا کی ملکیت ہے، یہ تمہارے درمیان برابر سے تقسیم کی جائے گی، اس میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ دی جائے گی۔"(۴۳)

وہ لوگ جو گذشتہ بیس سال سے غیر منصفانہ تقسیم کے عادی ہو چکے تھے، حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اسلامی اصول کو مصلحتِ وقت پر قربان کر دیں لیکن جب حضرت علیؑ اصول اسلامی کے معاملے میں کسی تساہل پر تیار نہ ہوئے تو انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف

(۴۳) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۷، صفحہ ۳۵-۳۷ نیز ملاحظہ ہو نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۶

سازشوں کا جال بچھا دیا۔

بنی امیہ کے اقتدار میں آنے کے بعد مسلمانوں کے درمیان عدم مساوات کو اور زیادہ فروغ دیا گیا۔ اگر کوئی اسلام قبول کر بھی لیتا تھا جب بھی اسے ایک مسلمان کے حقوق نہیں دئے جاتے تھے [illegible] [illegible] سے صرف جزیہ لیا جاتا تھا جبکہ ان نومسلموں کو جزیہ بھی دینا پڑتا تھا اور زکوٰۃ بھی۔ (۴۴)

عمر بن عبدالعزیز کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت کے علاوہ پورے اموی دورِ حکومت میں تمام غیر عرب سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان۔

یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ اس پالیسی نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔ صدیوں تک علاقوں کے علاقے (جن کے شہر اور دارالسلطنت "اسلامی" کہے جاتے تھے) اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہے یہاں تک کہ بربر (جو کہ عربوں کے ابتدائی حملوں کی مدافعت کرنے کے بعد اسلام کی طرف مائل ہوئے اور اسپین و فرانس کے خلاف جہاد میں شاندار فوجی خدمات انجام دیں) بحیثیت مجموعی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے جب تک کہ پہلی شیعہ حکومت مراکش میں قائم نہیں ہوئی۔ جب امام حسنؑ کے پڑپوتے جناب ادریس نے (جنہوں نے ادریسی خاندان کی (۷۸۹ء سے ۹۸۵ء تک) حکومت قائم کی) ملک بربر پر چڑھائی کی اس وقت وہاں کی اکثریت

(۴۴) تاریخ طبری ج ۳ صفحہ ۱۳۵۴-۱۳۶۷

غیر مسلم تھی۔ یہ اُن بدسلوکیوں کا نتیجہ تھا جو اموی عہد میں ان لوگوں کے ساتھ کی گئی تھیں۔

جب یزید بن عبدالملک اموی تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے یزید بن ابومسلم دینار کو مراکش کا گورنر مقرر کیا اور اس گورنر نے ان لوگوں پر بھی پھر سے جزیہ عائد کیا جو مسلمان ہو چکے تھے اور ان کو مجبور کیا کہ وہ ان دیہاتوں میں جا کر رہیں جہاں وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے رہتے تھے۔ (۴۵) جب جناب ادریس نے اس اموی سیاست کو بدلا اور تمام مسلمانوں کو پورے اسلامی حقوق دیئے تو تمام بربر مسلمان ہو گئے۔

عربیت کو فوقیت دینے کا جذبہ پوری طرح ابتدائی عہد کے حکمرانوں کے ان فیصلوں میں رچا بسا نظر آتا ہے جن کی رو سے مفتوحہ ممالک کے کسی باشندے کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی مسلمان نہیں مانا جاتا تھا۔ نہ اسے مسلمانوں کے حقوق دیئے جاتے تھے جب تک کہ وہ اپنے کو کسی عرب قبیلے سے منسلک نہ کر دے۔ پرانے دور کے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ جو اکثر اس طرح کے ضمیمے ملتے ہیں کہ "مولا بنی فلاں" وہ اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں اس کے باوجود ان مسلمان موالیوں کو ہر طرح کے استہزا اور غیر مساویانہ سلوک کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اربابِ اقتدار ہر طرح ان کا استحصال کرتے تھے۔

اِن بارہ اماموں کی ذواتِ مقدسہ میں حکومت کے حق کو محدود کر کے

---

(۴۵) Hasan-al-Amin Islamic Shi'ite Encyclopedia Vol. I Beirut PP. 38-41

اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے باہمی تنازعہ، اختلاف، بدامنی اور دھوکہ پر مبنی الکشن بازی کی جڑ کاٹ دی اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی اور نسلی عدم مساوات کا خاتمہ کر دیا۔

۳۰۔ خاندانی حکومت

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کے عقیدے کو تسلیم کرنے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ پیغمبرؐ اپنے اہل بیتؑ کے لئے ایک خاندانی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے (جس میں آپؐ بالکل ناکام رہے)

مندرجہ بالا اعتراض کا اصل مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ چونکہ رسولؐ ایسے خودغرضانہ محرکات سے بالاتر تھے، لہٰذا شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

یہی حضرات یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ: "الائمۃ من قریش" "امام قریش سے ہوں گے" تو کیا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث سے رسولؐ اپنے قبیلے کی بادشاہت قائم کرنا چاہتے تھے یا ان کا مقصد یہ ہے کہ رسولؐ نے خودغرضانہ محرکات کے ماتحت یہ جملہ زبانِ مبارک پر جاری فرمایا تھا۔ معاذ اللہ!

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوبکر نے انصارِ مدینہ کو یہ کہہ کر خاموش کیا تھا کہ "چونکہ رسولؐ قبیلہ قریش سے تھے لہٰذا عرب کسی غیر قریشی کو خلیفہ کے عنوان سے تسلیم نہیں کریں گے۔" اس استدلال سے انصار چپ ہو گئے اسی دلیل کے مطابق اگر رسولؐ کے اہلبیتؑ کی کسی فرد کو (مثلاً حضرت علیؑ کو) خلیفہ بنا دیا جاتا تو سب لوگ باطمینانِ تمام آپ کی اطاعت کرتے اور کسی قسم کا کوئی اختلاف اور کوئی دشواری پیدا نہ ہوتی۔ حضرت علیؑ کے تقرر کے

اس پہلو کو کچھ غیر مسلم مصنفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مسٹر سیڈی لاٹ (Sedillot) نے لکھا ہے " اگر خاندانی وراثت کے اصول کو علیؑ کے حق میں شروع ہی سے تسلیم کر لیا جاتا تو ان تباہ کن دعووں کا سدباب ہو جاتا جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غرق کر دیا ... فاطمہؑ کا شوہر رسولؐ کا جانشین ہونے کی حیثیت سے اپنی ذات میں وراثت کا حق بھی رکھتا تھا اور انتخاب کا بھی۔"

واقعہ یہ ہے کہ ایسے معترضین اصل مسئلہ کو سمجھ نہیں پائے ہیں شیعوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میراث کا امامت سے کوئی تعلق ہے بلکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ امام کو معصوم ہونا چاہیئے، تمام فضائل و محاسن میں پوری اُمّت سے افضل اور منصوص من اللہ یعنی خدا کی جانب سے معیّن ہونا چاہیئے اور بس۔ البتہ حضرت ابراہیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہما و علی آلہما پر خدا کا ایک خاص فضل یہ تھا کہ عملی طور پر ان حضرات کے بعد جتنے امام آئے وہ انہیں کی نسل سے تھے یعنی وہ تمام حضرات جن کے اندر امامت کے ضروری شرائط کا اجتماع ہوا وہ انہیں کی اولاد سے تھے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مآخذ کتاب

	نام کتاب	نام مصنف
۱۔	قرآن مجید	

تفسیر و متعلقات

	نام کتاب	نام مصنف
۲۔	تفسیر طبری	امام محمد بن جریر طبری
۳۔	تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب)	امام فخر الدین رازی
۴۔	الکشاف	جار اللہ زمخشری
۵۔	معالم التنزیل	ابو محمد حسین بغوی
۶۔	لباب التاویل	علی بن محمد الخازن البغدادی
۷۔	الدر المنثور	جلال الدین سیوطی
۸۔	لباب النقول فی اسباب النزول	〃 〃 〃
۹۔	تفسیر وحیدی	مولوی وحید الزمان
۱۰۔	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن محمد الواحدی
۱۱۔	انوار اللغۃ	مولوی وحید الزمان
۱۲۔	تفسیر عیاشی	محمد بن مسعود العیاشی
۱۳۔	تفسیر صافی	ملا محسن فیض کاشانی

کتب احادیث

	نام کتاب	نام مصنف
۱۴۔	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری
۱۵۔	صحیح مسلم	امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری
۱۶۔	سنن ابی داؤد	ابو داؤد
۱۷۔	سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ
۱۸۔	صحیح ترمذی	ترمذی

۱۹۔ الخصایص — ابوعبدالرحمٰن بن شعیب نسائیؒ

۲۰۔ موطاء — امام مالک بن انس

۲۱۔ المستدرک علی الصحیحین — امام حاکم نیشاپوری

۲۲۔ مسند — امام احمد بن حنبل

۲۳۔ مسند — شیبانی

۲۴۔ مشکل الآثار — طحاوی

۲۵۔ کنزالعمال — ملا علی متقی ہندی

۲۶۔ مشکوٰۃ المصابیح — خطیب تبریزی

۲۷۔ جمع الجوامع — جلال الدین سیوطی

۲۸۔ زین الفتی — عاصمی

۲۹۔ ینابیع المودۃ — سید سلیمان قندوزی

۳۰۔ ذخایر العقبیٰ — محب الدین طبری

۳۱۔ زاد المعاد — ابن قیم

۳۲۔ ارجح المطالب — عبیداللہ امرتسری

۳۳۔ منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسولؐ — نواب صدیق حسن خان

۳۴۔ الاحتجاج — طبرسی

۳۵۔ کفایۃ الاثر — ابوالقاسم علی الخزاز الرازی

۳۶۔ علل الشرایع — شیخ صدوق

۳۷۔ بحارالانوار — محمد باقر مجلسی

۳۸۔ سفینۃ البحار — شیخ عباس قمی

علم رجال و درایت

۳۹۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ — ابن عبدالبر

۴۰۔ اسد الغابۃ — ابن اثیر الجزری

۴۱۔ طبقات — ابن سعد

تاریخ وسیرت

۴۲۔ تاریخ الامم والرسل والملوک — محمد بن جریر طبری

۴۳۔ سیرت — ابن ہشام

۴۴۔ تاریخ الکامل — ابن اثیر جزری

۴۵۔ البدایۃ والنہایۃ — ابن کثیر

۴۶۔ المختصر فی اخبار البشر — ابوالفداء عمادالدین

۴۷۔ تاریخ یعقوبی — ابن واضح

۴۸۔ الامامۃ والسیاسۃ — ابن قتیبہ

۴۹۔ تاریخ الخمیس — محمد بن حسین دیاربکری

۵۰۔ تاریخ الخلفاء — جلال الدین سیوطی

۵۱۔ تذکرۃ خواص الامۃ — سبط ابن جوزی

۵۲۔ حبیب السیر

۵۳۔ السیرۃ الحلبیۃ — الحلبی الشافعی

۵۴۔ روضۃ الصفا — محمد بن خاوندشاہ

۵۵۔ DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE. — GIBBON

۵۶۔ MOHAMMED AND HIS SUCCESSORS — WASHINGTON IRVING

۵۷۔ HEROES AND HERO WORSHIP — THOMAS CARLYLE

۵۸۔ A LITERARY HISTORY OF ARABS — NICHOLSON

۵۹۔ ISLAMIC SHI'ITE ENCYCLOPAEDIA — HASAN AL-AMIN

۶۰۔ کتاب الارشاد — شیخ مفید

علمِ کلام ومناظرہ وغیرہ

۶۱۔	شرح عقائد نسفی	سعد بن مسعود بن عمر تفتازانی
۶۲۔	شرح مقاصد الطالبین	" " " " "
۶۳۔	الاحکام السلطانیہ	ماوردی
۶۴۔	الصواعق المحرقہ	ابن حجر المکی
۶۵۔	احیاء العلوم	امام ابوحامد الغزالی
۶۶۔	شرح الباب الحادی عشر	فاضل مقداد
۶۷۔	الفلسفۃ الاسلامیۃ	محمد جواد مغنیہ
۶۸۔	النبوۃ والخلافۃ	نجم العلماء سید نجم الحسن
۶۹۔	الغدیر ج ۱	علامہ عبدالحسین الامینی
۷۰۔	JUSTICE OF GOD	SAEED AKHTAR RIZVI
۷۱۔	PROPHET HOOD	" " "
۷۲	APOLOGY FOR MOHAMMED AND THE KORAN	JOHN DAVENPORT

فقہ

۷۳۔	الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	عبدالرحمٰن الجزائری
۷۴۔	شرائع الاسلام	محقق حلی
۷۵۔	منہاج الصالحین ج ۲	سید محسن الحکیم

ادب ومتفرقات

۷۶۔	شرح نہج البلاغۃ	ابن ابی الحدید معتزلی
۷۷۔	العقد الفرید ج ۴	ابن عبد ربہ الاندلسی
۷۸۔	غیاث اللغات	غیاث الدین